بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبات
حصہ اول

حقیقت ایمان

- مسلمان ہونے کیلئے علم کی ضرورت
- مسلم اور کافر کا اصلی فرق
- سوچنے کی باتیں
- کلمہ طیبہ کے معنی
- کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ
- کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد

مسلمان ہونے کیلئے علم کی ضرورت

برادران اسلام! ہر مسلمان سچے دل سے یہ سمجھتا ہیکہ دنیا میں خدا کی سب سے بڑی نعمت اسلام ہے۔ ہر مسلمان اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہیکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی امت میں اس کو شامل کیا اور اسلام کی نعمت اس کو عطا کی۔ خود اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنے بندوں پر اپنا سب سے بڑا انعام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اس بات کو پسند کرلیا کہ تمہارا دین اسلام ہو۔

یہ احسان جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا ہے، اسکا حق ادا کرنا آپ پر فرض ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کے احسان کا حق ادا نہیں کرتا وہ احسان فراموش ہوتا ہے اور سب سے بدتر احسان فراموشی یہ ہیکہ انسان اپنے خدا کے احسان کا حق بھول

جائے۔اب آپ پوچھیں گے کہ خدا کا حق کس طرح ادا کیا جائے؟ میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ جب خدا نے آپ کو امت محمدیہ میں شامل کیا ہے تو اسکے اس احسان کا صحیح شکر، یہ ہیکہ آپ محمد ﷺ کے پورے پیرو بنیں۔جب خدا آپکو مسلمانوں کی ملت میں شامل کیا ہے تو اسکی اس مہربانی کا حق آپ اسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ آپ پورے مسلمان بنیں۔اسکے سوا خدا کے اس احسان عظیم کا حق آپ اور کسی طرح ادا نہیں کر سکتے اور یہ حق اگر آپ نے ادا نہ کیا تو جتنا بڑا خدا کا احسان ہے اتنا ہی بڑا اسکی احسان فراموشی کا وبال بھی ہوگا۔خدا ہم سب کو اس وبال سے بچائے۔آمین۔

اس کے بعد آپ دوسرا سوال یہ کریں گے کہ آدمی پورا مسلمان کس طرح بن سکتا ہے؟ اسکا جواب بہت تفصیل چاہتا ہے اور آئندہ جمعہ کے خطبوں میں اسی کا ایک ایک جز آپکے سامنے پوری تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔لیکن آج کے خطبہ میں، میں آپکے سامنے وہ چیز بیان کرتا ہوں جو مسلمان بننے کیلئے سب سے مقدم ہے جسکو اس راستہ کا سب سے پہلا قدم سمجھنا چاہئے۔

ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچئے کہ آپ مسلمان کا لفظ جو بولتے ہیں اسکا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان ماں کے پیٹ سے "اسلام" ساتھ لے کر آتا ہے؟ کیا ایک شخص صرف اس بناء پر مسلمان ہوتا ہیکہ وہ مسلمان کا بیٹا اور مسلمان کا پوتا ہے؟ کیا مسلمان بھی اسی طرح مسلمان پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک برہمن کا بچہ برہمن پیدا ہوتا ہے، ایک راجپوت کا بیٹا راجپوت، ایک شودر کا لڑکا شودر؟ کیا مسلمان کسی نسل یا ذات برادری کا نام ہیکہ جس طرح ایک انگریز کسی انگریز کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے انگریز ہوتا ہے اور ایک جاٹ، جاٹ قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے جاٹ ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان صرف اسی وجہ سے مسلمان ہو کہ وہ مسلمان نامی قوم میں پیدا ہوا ہے؟ یہ سوالات جو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں انکا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ نہیں صاحب! مسلمان اسکو نہیں کہتے۔مسلمان نسل کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسلام لانے سے مسلمان بنتا ہے اور اگر وہ اسلام کو چھوڑ دے تو مسلمان نہیں رہتا۔ایک شخص خواہ برہمن ہو یا راجپوت، انگریز ہو یا جاٹ، پنجابی ہو یا حبشی، جب اس نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں میں شامل ہو جائیگا اور ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے، اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائیگا، چاہے وہ سید کا بیٹا ہو یا پٹھان کا۔

کیوں حضرات! آپ میرے سوالات کا یہی جواب دیں گے نا؟ اچھا تو اب خود آپ ہی کے جواب سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت یعنی مسلمان ہونے کی نعمت جو آپکو حاصل ہے، یہ کوئی نسلی چیز نہیں ہیکہ ماں باپ سے وراثت میں یہ خود بہ خود آپکو حاصل ہو جائے اور خود بہ خود تمام عمر آپکے ساتھ لگی رہے، خواہ آپ اس کی پرواہ کریں یا نہ کریں۔بلکہ ایسی نعمت ہیکہ اسکے حاصل کرنے کیلئے خود آپ کی کوشش شرط ہے۔اگر آپ کوشش کر کے اسے حاصل کریں تو آپکو مل سکتی ہے اور اگر آپ اس کی پرواہ نہ کریں تو یہ آپ سے چھن بھی سکتی ہے، معاذ اللہ۔

اب آگے بڑھیے۔آپ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے آدمی مسلمان بنتا ہے۔سوال یہ کہ اسلام لانے کا

مطلب کیا ہے؟ کیا اسلام لانے کا یہ مطلب ہیکہ جو آدمی بس زبان سے کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں یا مسلمان بن گیا ہوں، وہ مسلمان ہے؟ یا اسلام لانے کا مطلب یہ ہیکہ جس طرح ایک برہمن پجاری بغیر سمجھے بوجھے سنسکرت کے چند منتر پڑھتا ہے اسی طرح ایک شخص عربی کے چند فقرے بغیر سمجھے بوجھے زبان سے ادا کردے اور بس وہ مسلمان ہوگیا؟ آپ خود بتایئے کہ اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ اسلام لانے کا مطلب یہ کہ حضرت محمد ﷺ نے جو تعلیم دی ہے اسکو آدمی جان کر، سمجھ کر، دل سے قبول کرے، اور اسکے مطابق عمل کرے۔ جو ایسا کرے وہ مسلمان ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

یہ جواب جو آپ دیں گے، اس سے خود بہ خود یہ بات کھل گئی کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔ ایک شخص علم کے بغیر برہمن ہوسکتا ہے کیونکہ وہ برہمن پیدا ہوا ہے اور برہمن ہی رہے گا۔ ایک شخص علم کے بغیر جاٹ ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ جاٹ پیدا ہوا ہے اور جاٹ ہی رہے گا۔ مگر ایک شخص علم کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مسلمان پیدائش سے مسلمان نہیں ہوا کرتا بلکہ علم سے ہوتا ہے۔ جب تک اسکو یہ علم نہ ہو کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی تعلیم کیا ہے، وہ اس پر ایمان کیسے لاسکتا اور اس کے مطابق عمل کیسے کرسکتا ہے؟ اور جب وہ جان کر اور سمجھ کر ایمان ہی نہ لایا تو مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جہالت کے ساتھ مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا غیر ممکن ہے ہر شخص جو مسلمان گھر میں پیدا ہوا ہے جسکا نام مسلمانوں کا سا ہے، جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور جو اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان درحقیقت صرف وہ شخص ہے جو اسلام کو جانتا ہو اور پھر جان بوجھ کر اسکو مانتا ہو۔ ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق نام کا نہیں کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبداللہ ہے۔ اس لئے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ اسی طرح ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصلی فرق لباس کا بھی نہیں ہیکہ وہ دھوتی باندھتا ہے اور یہ پاجامہ پہنتا ہے، اس لئے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان، بلکہ اصلی فرق ان دونوں کے درمیان علم کا ہے وہ کافر اس لئے ہیکہ وہ نہیں جانتا کہ خداوند عالم کا اس سے اور اسکا خداوند عالم سے کیا تعلق ہے اور خالق کی مرضی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ کیا ہے۔ اگر یہی حال ایک مسلمان کے بچے کا بھی ہو تو بتاؤ کہ اس میں اور ایک کافر میں کس چیز کی بناء پر فرق کرتے ہو اور کیوں یہ کہتے ہو کہ وہ تو کافر ہے اور یہ مسلمان ہے۔

حضرات! یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اسکو ذرا کان لگا کر سنئے اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجئے۔ آپکو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت جس پر آپ شکر اور احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں، اسکا حاصل ہونا اور حاصل نہ ہونا، دونوں باتیں علم پر موقوف ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل ہی نہیں ہوسکتی اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو بھی جائے تو جہالت کی بناء پر ہروقت یہ خطرہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت اسکے ہاتھ سے چلی جائے گی محض نادانی کی بناء پر وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتا رہے گا کہ میں ابھی تک مسلمان ہوں، حالانکہ درحقیقت وہ مسلمان نہ ہوگا۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کفر میں کیا فرق ہے اور اسلام اور شرک میں کیا امتیاز ہے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو۔ ہوسکتا ہیکہ سیدھی لکیر پر چلتے چلتے

خود اسکے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ جائیں اور اسکو خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہیکہ راستے میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اس سے کہے کہ ارے میاں! تم اندھیرے میں راستہ بھول گئے، آؤ میں تمہیں منزل تک پہنچادوں۔ بے چارہ اندھیرے کا مسافر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ اس لئے نادانی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس دجال کے ہاتھ میں دے دے گا اور وہ اسکو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی لئے تو پیش آتے ہیں کہ اسکے پاس خود کوئی روشنی نہیں ہے، اور وہ خود اپنے راستے کے نشانات نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اسکے پاس روشنی موجود ہو تو ظاہر ہیکہ نہ وہ راستہ بھولے گا اور نہ کوئی دوسرا اسکو بھٹکا سکے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ مسلمان کیلئے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہو، خود یہ نہ جانتا ہو کہ قرآن کیا سکھاتا ہے اور حضرت محمد مصطفٰےؐ کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اسکو بھٹکا سکتے ہیں لیکن اگر اسکے پاس علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھے گا۔ ہر قدم پر کفر اور شرک اور گمراہی اور فسق و فجور کے جو ٹیڑھے راستے درمیان میں آئیں گے ان کو پہچان کر ان سے بچ سکے گا اور جو کوئی راستے میں اس بہکانے والا ملے گا تو اس کی دو چار باتیں ہی سن کر وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ بہکانے والا آدمی ہے اس کی پیروی نہ کرنی چاہئے۔

بھائیو! یہ علم جس کی ضرورت میں آپ سے بیان کر رہا ہوں اس پر تمہارے اور تمہاری اولاد کے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا انحصار ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہیکہ اس سے بے پروائی کی جائے تم اپنی کھیتی باڑی کے کام میں غفلت نہیں کرتے، اپنی زراعت کو پانی دینے اور اپنی فصلوں کی حفاظت کرنے میں غفلت نہیں کرتے۔ اپنے مویشیوں کو چارہ دینے میں غفلت نہیں کرتے، اپنے پیشے کے کاموں میں غفلت نہیں کرتے محض اس لئے کہ اگر غفلت کرو گے تو بھوکے مر جاؤ گے اور جان جیسی عزیز چیز ضائع ہو جائے گی۔ پھر مجھے بتاؤ کہ اس علم کے حاصل کرنے میں کیوں غفلت کرتے ہو جس پر تمہارے مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کا دارومدار ہے؟ کیا اس میں خطرہ نہیں کہ ایمان جیسی عزیز چیز ضائع ہو جائے گی؟ کیا ایمان، جان سے زیادہ عزیز چیز نہیں ہے؟ تم جان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے جتنا وقت اور جتنی محنت صرف کرتے ہو کیا اس وقت اور محنت کا دسواں حصہ بھی ایمان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کیلئے صرف نہیں کر سکتے؟

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص مولوی بنے، بڑی بڑی کتابیں پڑھے اور اپنی عمر کے دس بارہ سال پڑھنے میں صرف کر دے۔ مسلمان بننے کیلئے اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں کا ہر شخص رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ علم دین سیکھنے میں صرف کرے۔ کم از کم اتنا علم ہر مسلمان بچے اور بوڑھے اور جوان کو حاصل ہونا چاہئے کہ قرآن جس مقصد کیلئے اور جو تعلیم لے کر آیا ہے اسکا لب لباب جان لے نبی کریمؐ جس چیز کو مٹانے کیلئے اور اس کی جگہ جو چیز قائم کرنے کیلئے تشریف لائے تھے اسکو خوب پہچان لے اور اس خاص طریق زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ نے مسلمانوں کیلئے مقرر کیا ہے۔ اتنے علم کیلئے کچھ بہت زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایمان عزیز ہو تو اسکے لئے ایک گھنٹہ روز نکالنا کچھ مشکل نہیں۔

مسلم اور کافر کا اصلی فرق

برادرانِ اسلام! ہر مسلمان اپنے نزدیک یہ سمجھتا ہے اور آپ بھی ضرور ایسا ہی سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان کا درجہ کافر سے اونچا ہے مسلمان کو خدا کو پسند کرتا اور کافر کو ناپسند کرتا ہے۔ مسلمان خدا کے ہاں بخشا جائے گا اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ مسلمان جنت میں جائے گا اور کافر دوزخ میں جائے گا۔ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ مسلمان اور کافر میں اتنا بڑا فرق آخر کیوں ہوتا ہے؟ کافر بھی آدم کی اولاد ہے اور تم بھی۔ کافر بھی ایسا ہی انسان ہے جیسے تم ہو۔ وہ بھی تمہارے ہی جیسے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان رکھتا ہے۔ وہ بھی اسی ہوا میں سانس لیتا ہے، یہی پانی پیتا ہے اسی زمین پر بستا ہے، یہی پیداوار کھاتا ہے اسی طرح پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح مرتا ہے اسی خدا نے اسکو بھی پیدا کیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ پھر آخر کیوں اسکا درجہ نیچا ہے اور تمہارا اونچا؟ تمہیں کیوں جنت ملے گی اور وہ کیوں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

یہ بات سوچنے کی ہے آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق صرف اتنی بات سے تو نہیں ہوسکتا کہ تم عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے پکارے جاتے ہو اور وہ دین دیال اور کرتار سنگھ اور رابرٹسن جیسے ناموں سے پکارا جاتا ہے یا تم ختنہ کرواتے ہو اور وہ نہیں کراتا۔ یا تم گوشت کھاتے ہو اور وہ نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ جس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور جو سب کا پروردگار ہے ایسا ظلم تو کبھی نہیں کرسکتا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی مخلوقات میں فرق کرے، اور ایک بندے کو جنت میں بھیجے اور دوسرے کو دوزخ میں پہنچادے۔

جب یہ بات نہیں ہے تو پھر غور کرو کہ دونوں میں اصلی فرق کیا ہے۔ اسکا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ دونوں میں اصلی فرق اسلام اور کفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی خدا کی فرماں برداری کے ہیں اور کفر کے معنی خدا کی نافرمانی کے۔ مسلمان اور کافر دونوں انسان ہیں دونوں خدا کے بندے ہیں مگر ایک انسان اس لئے افضل ہوجاتا ہیکہ۔ یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہیکہ اسکے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرتا ہے اور دوسرا انسان اس لئے اونچے درجے سے گرجاتا ہیکہ وہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کی فرماں برداری نہیں کرتا اسی وجہ سے مسلمان سے خدا خوش ہوتا ہے اور کافر سے ناراض، مسلمان کو جنت کا وعدہ کرتا ہے اور کافر کو کہتا ہے کہ دوزخ میں ڈالوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں، ایک علم اور دوسرے عمل، یعنی پہلے تو اسے یہ جاننا چاہئے کہ اسکا مالک کون ہے؟ اسکے احکام کیا ہیں؟ اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ پھر جب یہ باتیں معلوم ہوجائیں تو دوسری بات یہ ہیکہ آدمی اپنے آپکو مالک کا غلام بنادے، جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اسکو چھوڑ دے۔ اگر

اسکا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اسکے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ مانے اور مالک کی بات مان لے۔ اگر ایک کام اسکو اچھا معلوم ہوتا ہے اور مالک کہے کہ وہ برا ہے تو اسے برا ہی سمجھے اور اگر دوسرا کام اسے برا معلوم ہوتا ہو مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے اور اگر ایک کام میں اسے نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے کیا جائے تو چاہے اس میں جان اور مال کو کتنا ہی نقصان ہو، وہ اسکو ضرور کر کے ہی چھوڑے، اگر دوسرے کام میں اسکو فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے نہ کیا جائے تو خواہ دنیا بھر کی دولت ہی اس کام میں کیوں نہ ملتی، وہ اس کام کو ہرگز نہ کرے۔

یہ علم اور یہ عمل ہے جس کی وجہ سے مسلمان خدا کا پیارا بندہ ہوتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خدا اسکو عزت عطا کرتا ہے۔ کافر یہ علم نہیں رکھتا اور علم نہ ہونے کی وجہ سے اسکا عمل بھی یہ نہیں ہوتا، اس لئے وہ خدا کا جاہل اور نافرمان بندہ ہوتا ہے، اور خدا اسکو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

اب خود ہی انصاف سے کام لے کر سوچو کہ جو شخص اپنے آپکو مسلمان کہتا ہو، مگر ویسا ہی جاہل ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے اور ویسا ہی نافرمان ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے تو محض نام اور لباس اور کھانے پینے کے فرق کی وجہ سے وہ کافر کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہو سکتا ہے اور کس بنا پر دنیا اور آخرت میں خدا کی رحمت کا حقدار ہو سکتا ہے؟ اسلام کسی نسل یا خاندان یا برادری کا نام نہیں ہیکہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے پوتے کو آپ ہی آپ مل جائے۔ یہاں یہ بات نہیں ہیکہ برہمن کا لڑکا چاہے کیسا ہی جاہل ہو اور کیسے ہی برے کام کرے مگر وہ اونچا ہی ہوگا، کیونکہ برہمن کے گھر پیدا ہوا ہے اور اونچی ذات کا ہے اور چمار کا لڑکا چاہے علم اور عمل کے لحاظ سے ہر طرح اس سے بڑھ کر ہو مگر وہ نیچا ہی رہے گا۔ کیونکہ چمار کے گھر پیدا ہوا ہے اور کمین ہے یہاں تو خدا نے اپنی کتاب میں صاف فرما دیا ہیکہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم "یعنی جو خدا کو زیادہ پہچانتا ہے اور اسکی زیادہ فرمانبرداری کرتا ہے وہی خدا کے نزدیک عزت والا ہے، حضرت ابراہیمؑ ایک بت پرست کے گھر پیدا ہوئے مگر انہوں نے خدا کو پہچانا اور اس کی فرماں برداری کی، اس لئے خدا نے انکو ساری دنیا کا امام بنا دیا۔ حضرت نوحؑ کا لڑکا ایک پیغمبر کے گھر پیدا ہوا، مگر اس نے خدا کو نہیں پہچانا اور اسکی نافرمانی کی، اس لئے خدا نے اسکے خاندان کی کچھ پرواہ نہ کی اور اسے ایسا عذاب دیا جس پر دنیا عبرت کرتی ہے۔ پس خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کے نزدیک انسان اور انسان میں جو کچھ فرق ہے وہ علم اور عمل کے لحاظ سے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کی رحمت صرف انہی کیلئے ہے جو اسکو پہچانتے ہیں اور اسکے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو جانتے ہیں اور اسکی فرماں برداری کرتے ہیں جن لوگوں میں یہ صفت نہیں ہے ان کے نام خواہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہوں یا دین دیال اور کرتار سنگھ، خدا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور انکو اس کی رحمت سے کوئی حق نہیں پہنچتا۔

بھائیو! تم اپنے آپکو مسلمان کہتے ہو اور تمہارا ایمان ہیکہ مسلمان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے مگر ذرا آنکھیں

کھول کر دیکھو، کیا خدا کی رحمت تم پر نازل ہورہی ہے؟ آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ تو تم بعد میں دیکھو گے، مگر اس دنیا میں تمہارا جو حال ہے اس پر نظر ڈالو۔ اس ہندوستان میں تم نو کروڑ ہو۔ تمہاری اتنی بڑی تعداد ہیکہ اگر ایک ایک شخص ایک ایک کنکری پھینکے تو پہاڑ بن جائے۔ لیکن جہاں اتنے مسلمان موجود ہیں وہاں کافر حکومت کررہے ہیں تمہاری گردنیں انکی مٹھی میں ہیں کہ جدھر چاہیں تمہیں موڑ دیں، تمہارا سر، جو خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتا تھا اب انسانوں کے آگے جھک رہا ہے۔ تمہاری عزت جس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی ہمت نہ کرسکتا تھا آج وہ خاک میں مل رہی ہے۔ تمہارا ہاتھ جو ہمیشہ اونچا ہی رہتا تھا، اب وہ نیچا ہوتا ہے اور کافر کے آگے پھیلتا ہے۔ جہالت اور افلاس اور قرضداری نے ہرجگہ تم کو ذلیل وخوار کر رکھا ہے۔ کیا یہ خدا کی رحمت ہے۔ اگر یہ رحمت نہیں ہے، بلکہ کھلا ہوا غضب ہے تو کیسی عجیب بات ہیکہ مسلمان اور اس پر خدا کا غضب نازل ہو! مسلمان اور ذلیل ہو! مسلمان اور غلام ہو! یہ تو ایسی ناممکن بات ہے جیسے کوئی چیز سفید بھی ہو اور سیاہ بھی۔ جب مسلمان خدا کا محبوب ہوتا ہے تو خدا کا محبوب دنیا میں ذلیل وخوار کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ تمہارا خدا ظالم ہیکہ تم تو اسکا حق پہچانو اور اس کی فرماں برداری کرو اور وہ نافرمانوں کو تم پر حاکم بنادے اور تم کو فرماں برداری کے معاوضے میں سزا دے؟ اگر تمہارا ایمان ہیکہ خدا ظالم نہیں ہے، اور اگر تم یقین رکھتے ہو کہ خدا کی فرماں برداری کا بدلہ ذلت سے نہیں مل سکتا، تو پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو اسی میں کوئی غلطی ہے۔ تمہارا نام سرکاری کاغذات میں تو ضرور مسلمان لکھا جاتا ہے، مگر خدا کے ہاں انگریزی سرکار کے دفتر کی سند پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ خدا اپنا دفتر الگ رکھتا ہے، وہاں تلاش کرو کہ تمہارا نام فرماں برداروں میں لکھا ہوا ہے یا نافرمانوں میں؟

خدا نے تمہارے پاس کتاب بھیجی تاکہ تم اس کتاب کو پڑھ کر اپنے مالک کو پہچانو اور اس کی فرماں برداری کا طریقہ معلوم کرو۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے؟ خدا نے اپنے نبی کو تمہارے پاس بھیجا تاکہ وہ تمہیں مسلمان بننے کا طریقہ سکھائے۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اسکے نبیؐ نے کیا سکھایا ہے؟ خدا نے تم کو دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ کیا تم اس طریقے پر چلتے ہو؟ خدا نے کھول کھول کر بتایا کہ کون سے کام ہیں جن سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیا تم ایسے کاموں سے بچتے ہو؟ بتاؤ تمہارے پاس اسکا کیا جواب ہے؟ اگر تم مانتے ہو کہ نہ تو تم نے خدا کی کتاب اور اسکے نبیؐ کی زندگی سے علم حاصل کیا، اور نہ اسکے بتائے ہوئے طریقے کی پیروی کی، تو تم مسلمان ہوئے جبکہ تمہیں اسکا اجر ملے؟ جیسے تم مسلمان ہو ویسا ہی اجر تمہیں مل رہا ہے اور ویسا ہی اجر آخرت میں بھی دیکھ لوگے۔

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ مسلمان اور کافر میں علم عمل کے سواء کوئی فرق نہیں ہے، اگر کسی شخص کا علم وعمل ویسا ہی ہے جیسا کافر کا ہے اور وہ اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے، تو بالکل جھوٹ کہتا ہے، کافر قرآن کو نہیں پڑھتا اور نہیں جانتا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ یہی حال اگر مسلمان کا بھی ہو تو وہ مسلمان کیوں کہلائے؟ کافر نہیں جانتا کہ رسول اللہؐ کی کیا تعلیم ہے اور آپؐ نے خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ کیا بتایا ہے۔ اگر مسلمان بھی اسی طرح ناواقف ہو تو وہ مسلمان کیسے

ہوا؟ کافر خدا کی مرضی پر چلنے کی بجائے اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ مسلمان بھی اگر اسی کی طرح خودسر اور آزاد ہو کر اسی کی طرح اپنے ذاتی خیالات اور اپنی رائے پر چلنے والا ہو، اسی کی طرح خدا سے بے پرواہ اور اپنی خواہش کا بندہ ہو تو اسے اپنے آپکو ''مسلمان'' (خدا کا فرماں بردار) کہنے کا کیا حق ہے؟ کافر حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا اور جس کام میں اپنے نزدیک فائدہ یا لذت دیکھتا ہے اسکو اختیار کر لیتا ہے، چاہے اسکے نزدیک وہ حلال ہو یا حرام، یہی رویہ اگر مسلمان کا ہو تو اس میں اور کافر میں کیا فرق ہوا؟ غرض یہ ہیکہ جب مسلمان بھی اسلام کے علم سے اتنا ہی کورا ہو جتنا کافر ہوتا ہے، اور جب مسلمان بھی وہ سب کچھ کرے جو کافر کرتا ہے تو اسکو کافر کے مقابلہ میں کیوں فضیلت حاصل ہو، اور اسکا حشر بھی کافر جیسا کیوں نہ ہو؟ یہ ایسی بات ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔

میرے عزیز بھائیو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں مسلمانوں کو کافر بنانے چلا ہوں، نہیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ میں خود بھی یہ سوچتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچے کہ ہم آخر خدا کی رحمت سے کیوں محروم ہو گئے ہیں؟ ہم پر ہر طرف سے کیوں مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ جنکو ہم کافر، یعنی خدا کے نافرمان بندے کہتے ہیں وہ ہم پر ہر جگہ غالب کیوں ہیں؟ اور ہم جو فرماں بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہر جگہ مغلوب کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ پر میں نے جتنا زیادہ غور کیا، اتنا ہی مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ ہم میں اور کفار میں بس نام کا فرق رہ گیا ہے، ورنہ ہم بھی خدا سے غفلت اور اس سے بے خوفی اور اس کی نافرمانی میں کچھ ان سے کم نہیں ہیں۔ تھوڑا سا فرق ہم میں اور ان میں ضرور ہے، مگر اس کی وجہ سے ہم کسی اجر کے مستحق نہیں ہیں بلکہ سزاء کے مستحق ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کہ نبیؐ ہیں اور پھر انکی پیروی سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے کافر بھاگتا ہے، ہم کو معلوم ہیکہ جھوٹے پر خدا نے لعنت کی ہے۔ رشوت کھانے اور کھلانے والے کو جہنم کا یقین دلایا ہے سود کھانے اور کھلانے والے کو بدترین مجرم قرار دیا ہے، غیبت کو اپنے بھائی کو گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے، فحش اور بے حیائی اور بدکاری پر سخت عذاب کی دھمکی دی ہے، مگر یہ جاننے کے بعد بھی ہم کفار کی طرح یہ سب کام آزادی کے ساتھ کرتے ہیں، گویا ہمیں جاننے کے بعد بھی ہم کفار کے مقابلہ میں تھوڑے بہت مسلمان بنے ہوئے نظر آتے ہیں، اس پر ہمیں انعام نہیں ملتا، بلکہ سزا دی جاتی ہے۔ کفار کا ہم پر حکمراں ہونا، ہر جگہ ہمارا زک اٹھانا اسی جرم کی سزا ہیکہ ہمیں اسلام کی نعمت دی گئی تھی اور پھر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

عزیزو! آج کے خطبہ میں جو کچھ میں نے کہا ہے یہ اس لئے نہیں ہیکہ تم کو ملامت کروں، میں ملامت کرنے نہیں اٹھا ہوں، میرا مقصد یہ ہیکہ جو کچھ کھویا گیا ہے اسکو پھر سے حاصل کرنے کی کچھ فکر کی جائے۔ کھوئے ہوئے کو پانے کی فکر اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو معلوم ہو کہ اسکے پاس سے کیا چیز کھوگئی ہے اور وہ کیسی قیمتی چیز ہے، اسی لئے میں تم کو چونکانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم کو ہوش آجائے اور تم سمجھ لو کہ حقیقت میں بہت قیمتی چیز تمہارے پاس تھی تو تم پھر سے اسکے حاصل کرنے کی فکر کروگے۔

میں نے پچھلے خطبہ میں تم سے کہا تھا کہ مسلمان کو مسلمان ہونے کیلئے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام کا علم ہے، ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے، رسول پاک ﷺ کا طریقہ کیا ہے، اسلام کس کو کہتے ہیں اور کفر و اسلام میں اصلی فرق کن باتوں کی وجہ سے ہے؟ اس علم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ مگر افسوس ہیکہ تم اسی علم کو حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہیکہ ابھی تک تم کو احساس ہوا کہ تم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو۔ میرے بھائیو! ماں اپنے بچے کو دودھ بھی اس وقت تک نہیں دیتی جب تک وہ رو کر مانگتا نہیں۔ پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے تو وہ پانی ڈھونڈتا ہے اور خدا اسکے لئے پانی پیدا بھی کر دیتا ہے۔ جب تم کو خود ہی پیاس نہ ہو تو پانی سے بھرا ہوا کنواں بھی تمہارے پاس آجائے تو بے کار ہے۔ پہلے تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ دین سے ناواقف رہنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ہے۔ خدا کی کتاب تمہارے پاس موجود ہے مگر تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ اس سے زیادہ نقصان کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ نماز تم پڑھتے ہو مگر تمہیں نہیں معلوم کہ اس نماز میں تم اپنے خدا کے سامنے کیا عرض کرتے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوسکتا ہے؟ کلمہ، جس کے ذریعہ سے تم اسلام میں داخل ہوتے ہو، اسکے معنی تک تم کو معلوم نہیں اور تم نہیں جانتے کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ ہی تم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک مسلمان کیلئے کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی نقصان ہوسکتا ہے؟ کھیتی کے جل جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، روزگار نہ ملنے کا نقصان تم کو معلوم ہے، مگر اسلام سے ناواقف ہونے کا نقصان تمہیں معلوم نہیں۔ جب تم کو اس نقصان کا احساس ہوگا تو تم خود آکر کہو گے کہ ہمیں اس نقصان سے بچاؤ اور جب تم خود کہو گے تو انشاءاللہ تمہیں اس نقصان سے بچانے کا بھی انتظام ہوجائے گا۔

سوچنے کی باتیں

برادران اسلام! دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنکے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ، تمام تحریفات سے پاک، ٹھیک ٹھیک انہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق پر اترا تھا۔ اور دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اسکی برکتوں اور بے حساب نعمتوں سے محروم ہیں۔ قرآن انکے پاس اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اسکو پڑھیں، سمجھیں اور اسکے مطابق عمل کریں، اور اسکو لے خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حکومت قائم کردیں۔ وہ ان کو عزت اور طاقت بخشنے آیا تھا وہ انہیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا اور تاریخ گواہ ہیکہ جب انہوں نے اسکی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اس نے انکو دنیا کا امام اور پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر اب انکے ہاں اسکا مصرف اسکے سوا کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اسکو رکھ کر جن بھوت بھگائیں، اسکی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور گھول کر پئیں اور محض ثواب کیلئے بے سمجھے بوجھے پڑھ لیا کریں، اب یہ اس سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت نہیں مانگتے، اس سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے عقائد کیا

ہونے چاہئیں؟ ہمارے اعمال کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں؟ ہم لین دین کس طرح کریں؟ دوستی اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں؟ خدا کے بندوں کے اور خود اپنے نفس کے حقوق ہم پر کیا ہیں اور انہیں ہم کس طرح ادا کریں؟ ہمارے لئے حق کیا ہے اور باطل کیا؟ اطاعت ہمیں کس کی کرنی چاہئے اور نافرمانی کس کی؟ تعلق کس سے رکھنا چاہئے اور کس سے نہ رکھنا چاہئے؟ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون؟ ہمارے لئے عزت اور فلاح اور نفع کس چیز میں ہے اور ذلت اور نامرادی اور نقصان کس چیز میں؟ یہ ساری باتیں اب مسلمانوں سے قرآن سے پوچھنی چھوڑ دی ہیں۔ اب یہ کافروں اور مشرکوں سے گمراہ اور خود غرض لوگوں سے، اور خود اپنے نفس کے شیطان سے ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور انہی کے کہے پر چلتے ہیں۔ اس لئے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہئے وہی انکا ہوا اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں، چین اور جاوا میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراقش میں، ہر جگہ بری طرح بھگت رہے ہیں۔ قرآن تو خیر کا سرچشمہ ہے جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے یہ تمہیں دے گا۔ تم اس سے محض بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی ہی چھوٹی ذلیل و بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی۔ اگر دنیا کی بادشاہی اور روئے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی ملے گی اور اگر عرش الٰہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی پہنچا دے گا۔ یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہیکہ سمندر سے پانی کی دو بوندیں مانگتے ہو، ورنہ سمندر تو دریا بخشنے کیلئے بھی تیار ہے۔

حضرات! جو ستم ظریفیاں ہمارے بھائی مسلمان اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ کرتے ہیں وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اسکی ہنسی اڑائیں بلکہ اسکو پاگل قرار دیں۔ بتائیے اگر کوئی شخص حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں باندھ لے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ کیا آپکو اس پر ہنسی نہیں آئے گی؟ اور آپ اسے بے وقوف نہیں سمجھیں گے۔ مگر سب سے بڑے حکیم نے آپکے امراض کیلئے شفاء اور رحمت کا جو بے نظیر نسخہ لکھ کر دیا ہے اسکے ساتھ آپکی آنکھوں کے سامنے رات دن یہی سلوک ہو رہا ہے اور کسی کو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ نسخہ گلے میں لٹکانے اور گھول کر پینے کی چیز نہیں بلکہ اس لئے ہوتا ہیکہ اسکی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کی جائے۔

بتائیے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کے محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دور ہو جائے گی تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ نہ کہیں گے کہ بھیجو اسے پاگل خانے میں، اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مگر شافی مطلق نے جو کتاب آپکے امراض کا علاج کرنے کیلئے بھیجی ہے اسکے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ ہے۔ آپ اسکو پڑھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ بس اسکے پڑھ لینے ہی سے تمام امراض دور ہو جائیں گے، اسکی ہدایات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ان چیزوں سے پرہیز کی ضرورت ہے جن کو یہ مضر بتا رہی ہیں پھر آپ خود اپنے اوپر بھی وہی حکم کیوں نہیں لگاتے جو اس شخص پر لگاتے ہیں جو بیماری دور کرنے کیلئے صرف علم طب کی کتاب پڑھ لینے کو کافی سمجھتا ہے؟

آپکے پاس اگر کوئی خط ایسی زبان میں آتا ہے جسے آپ نے جانتے ہوں تو آپ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کہ اس زبان کے جاننے والے سے اسکا مطلب پوچھیں۔ جب تک آپ اسکا مطلب نہیں جان لیتے آپ کو چین نہیں آتا۔ یہ معمولی کاروبار کے خطوط کے ساتھ آپ کا برتاؤ ہے جن میں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ مگر خداوند عالم کا جو خط آپکے پاس آیا ہوا ہے اور جس میں آپ کیلئے دین و دنیا کے تمام فائدے ہیں، اسے آپ اپنے پاس یونہی رکھ چھوڑتے ہیں، اسکا مطلب سمجھنے کیلئے کوئی بے چینی آپ میں پیدا نہیں ہوتی، کیا یہ حیرت اور تعجب کا مقام نہیں؟

یہ باتیں میں ہنسی دل لگی کیلئے نہیں کر رہا ہوں۔ آپ ان باتوں پر غور کریں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ ہو رہا ہے، اور یہ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جان قربان کرنے کیلئے تیار ہیں، بے شک وہ ایمان رکھتے ہیں اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں مگر افسوس یہ کہ وہی اس پر سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھ لیجئے! اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لئے نہیں آیا کہ وہ بدبختی اور نکبت و مصیبت میں مبتلا ہو۔

طٰہ ماانزلنا علیک القرآن لتشقی یہ سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ہے، شقاوت اور بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ قطعی ناممکن ہیکہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو، دوسروں کی محکوم ہو، پاؤں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جائے، اسکے گلے میں غلامی کا پھندا ہو اور غیروں کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہوں اور وہ اسکو اس طرح ہانکیں جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں۔ یہ انجام اسکا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے کلام پر ظلم کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کا انجام آپکے سامنے ہے، انکے پاس توراۃ اور انجیل بھیجی گئی تھیں اور کہا گیا تھا:

ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلو من فوقھم و من تحت ارجلھم (مائدہ ۹ ع)

"اگر وہ توراۃ اور انجیل اور ان کتابوں کی پیروی پر قائم رہتے جو ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو ان پر آسمان سے رزق برستا اور زمین سے رزق ابلتا۔

مگر انہوں نے اللہ کی ان کتابوں پر ظلم کیا، اور اسکا نتیجہ یہ دیکھا کہ:

ضربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ و باء و بغضب من اللہ ذالک بانھم کانو یکفرون بایت اللہ و یقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصو و کانو ا یعتدون (البقرۃ: آیت ٦١)

ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے تھے اور اس لئے کہ وہ اللہ کے نافرمان ہوگئے تھے اور حد سے گذر گئے تھے۔

پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر بھی ذلیل وخوار اور محکوم ومغلوب ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اسکے سوا کوئی صورت نہیں کہ اسکی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے اور اسکا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ اس گناہ عظیم سے باز نہ آئیں گے تو آپکی حالت ہرگز نہ بدلے گی۔ خواہ آپ گاؤں، گاؤں کالج کھول دیں اور آپکا بچہ بچہ گریجویٹ ہو جائے اور آپ یہودیوں کی طرح سودخوری کر کے کروڑپتی ہی کیوں نہ بن جائیں۔

حضرات! ہر مسلمان کو سب سے پہلے جو چیز جاننی چاہئے وہ یہ ہیکہ "مسلمان" کہتے کس کو ہیں اور "مسلم" کے معنی کیا ہیں؟ اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ "انسانیت" کیا چیز ہے اور انسان وحیوان میں فرق کیا ہے تو وہ حیوانوں کی سی حرکات کریگا، اور اپنے آدمی ہونے کی قدر نہ کریگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کی قدر نہ کر سکے گا۔ لہٰذا مسلمان کو اور مسلمان کے ہر بچے کو اس بات سے واقف ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے تو اسکے معنی کیا ہیں، مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آدمی کی حیثیت میں کیا فرق واقع ہو جاتا ہے، اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اور اسلام کے حدود کیا ہیں جن کے اندر رہنے سے آدمی مسلمان رہتا ہے اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی وہ مسلمانیت سے خارج ہو جاتا ہے چاہے وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا جائے۔

"اسلام" کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کے اپنے آپکو خدا کے سپرد کر دینا "اسلام" ہے۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی وخودمختاری سے دست بردار ہو جانا "اسلام" ہے۔ خدا کی بادشاہی وفرماں روائی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا "اسلام" ہے۔ جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے حوالہ کر دے وہ مسلمان ہے۔ اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دے وہ مسلمان نہیں ہے۔ خدا کے حوالہ کرنے یا خدا کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہیکہ خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اسکو قبول کیا جائے، اس میں چون وچرا نہ کی جائے۔ اور زندگی میں جو معاملہ بھی پیش آئے اس میں صرف قرآن اور سنت رسول کی پیروی کی جائے جو شخص اپنی عقل اور دنیا کے دستور اور خدا کے سواہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے، اور ہر معاملہ میں خدا کی کتاب اور اسکے رسول سے پوچھتا ہیکہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے، اور جو ہدایات وہاں سے ملے اسکو بے چون وچرا مان لیتا ہے، اور اسکے خلاف ہر چیز کو رد کر دیتا ہے، وہ اور صرف وہی "مسلمان" ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے آپکو بالکل خدا کے سپرد کر دیا۔ اور اپنے کو خدا کے سپرد کرنا ہی "مسلمان" ہونا ہے۔ اسکے برخلاف جو شخص قرآن اور سنت رسولؐ پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کا کہا کرتا ہے یا باپ دادا سے جو کچھ ہوتا چلا آتا ہو اسکی پیروی کرتا ہے، یا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہو اسکے مطابق چلتا ہے، اور اپنے معاملات میں قرآن وسنت سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اسے کیا کرنا چاہئے یا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قرآن وسنت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ اسکے جواب میں کہتا ہیکہ میری عقل اسے قبول نہیں کرتی اس لئے میں اس بات کو نہیں مانتا، یا

باپ دادا سے تو اسکے خلاف عمل ہو رہا ہے لہٰذا میں اس کی پیروی نہ کروں گا، یا دنیا کا طریقہ اسکے خلاف ہے لہٰذا میں اسی پر چلوں گا۔ تو ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ وہ جھوٹ کہتا ہے اگر اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔

آپ جس وقت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اسی وقت گویا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کیلئے قانون صرف خدا کا قانون ہے، آپکا حاکم صرف خدا ہے۔ آپکو اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے اور آپکے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اسکے رسول کے ذریعہ سے معلوم ہو۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے دستبردار ہو گئے۔ اب آپکو یہ کہنے کا حق ہی نہیں رہا کہ میری رائے یہ ہے، یا دنیا کا دستور یہ ہے، یا خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں، خدا کے کلام اور اسکے رسولؐ کی سنت کے مقابلہ میں اب ان میں سے کوئی چیز بھی آپ نہیں کرسکتے۔ اب آپکا کام یہ ہیکہ ہر چیز کو قرآن اور سنت کے سامنے پیش کریں جو کچھ اسکے مطابق ہو قبول کریں اور جو اسکے خلاف ہو اسے اٹھا کر پھینک دیں۔ خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو۔ اپنے آپکو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن وسنت کے مقابلہ میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس طرح کوئی اندھا اپنے آپکو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا، اور کوئی نکٹا اپنے آپکو ناک والا نہیں کہہ سکتا، اسی طرح کوئی ایسا شخص اپنے آپکو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن اور سنت کے تابع بنانے سے انکار کرے، اور خدا و رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی عقل یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول وعمل کو پیش کرے۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو اسے کوئی مسلمان رہنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اسے اختیار ہیکہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا جو نام چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے تو اسکو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مسلمان اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک وہ اسلام کی سرحد میں رہے۔ خدا کے کلام اور اسکے رسولؐ کی سنت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اسکے خلاف ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اسکے بعد وہ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسلمان کہتا ہے تو خود وہ اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون۔

کلمۂ طیبہ کے معنی

برادران اسلام! آپکو معلوم ہیکہ انسان دائرہ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے اور وہ کلمہ بھی کچھ بہت زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے بس صرف چند لفظ ہیں،

"لاالہ الا اللہ محمدالرسول اللہ" ان الفاظ کوزبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے، پہلے کافر تھا، اب مسلمان ہوگیا۔ پہلے ناپاک تھا، اب پاک ہوگیا۔ پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا اب اسکا پیارا ہوگیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا اب جنت کا دروازہ اسکے لئے کھل گیا۔ اور بات صرف اتنے ہی پر نہیں رہتی، اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہوجاتا ہے جو اس کلمہ کے پڑھنے والے ہیں وہ ایک امت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری امت ہوجاتے ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ، باپ نہ رہا اور بیٹا، بیٹا نہ رہا۔ باپ کی جائیداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں اور بہنیں تک اس سے پردہ کرنے لگیں گی۔ غیر شخص اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور اس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد تو اس گھر سے ورثہ پائے گی مگر یہ اپنی صلب کا بیٹا صرف اس وجہ سے کلمہ کو نہیں مانتا غیروں کا غیر بن جائے گا۔ گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہیکہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے۔ حتی کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہیکہ خون اور رحم کے رشتے بھی اسکے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

اب ذرا اب بات پر غور کرو کہ یہ اتنا بڑا فرق جو آدمی اور آدمی میں ہوجاتا ہے، یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کلمہ میں ہے کیا؟ صرف چند حرف ہی تو ہیں۔ لام، الف، ہ، م، و، س اور ایسے ہی دو چار حروف۔ اور ان حرفوں کو ملا کر اگر منہ سے نکال دیا تو کیا کوئی جادو ہوجاتا ہیکہ آدمی کی کایا پلٹ جائے، آدمی اور آدمی میں کیا بس اتنی سی بات سے زمین و آسمان کا فرق ہوسکتا ہے؟ میرے بھائیو! تم ذرا سمجھ سے کام لوگے تو تمہاری عقل خود بخود کہہ دے گی کہ فقط منہ کھولنے اور زبان ہلا کر چند حرف بول دینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہوسکتی۔ بت پرست مشرک تو ضرور سمجھتے ہیں کہ بس ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ٹل جائے گا، زمین شق ہوجائے گی، اور چشمے ابلنے لگیں گے، چاہے منتر کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے۔ وہ زبان سے نکلے اور طلسمات کے دروازے کھل گئے۔ مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اصل چیز معنی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے معنی اگر نہ ہوں اور وہ دل میں نہ اتریں، اور انکے زور سے تمہارے خیالات، تمہارے اخلاق اور تمہارے اعمال نہ بدلیں، تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اس بات کو میں ایک موٹی مثال سے تمہیں سمجھاؤں، فرض کرو کہ تمہیں سردی لگتی ہے اگر تم زبان سے روئی، لحاف، روئی لحاف پکارنا شروع کردو تو سردی لگنی بند ہوگی، چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں روئی لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں اگر لحاف میں روئی بھروا کر اوڑھ لوگے تو سردی لگنی بند ہوجائے گی۔ فرض کرو کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے، اگر تم صبح سے شام تک پانی پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ ہاں پانی ایک گھونٹ لے کر پی لوگے تو کلیجے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہوجائے گی۔ فرض کرو کہ تم کو نزلہ بخار ہوجاتا ہے، اس حال میں اگر بنفشہ گاؤزبان، بنفشہ گاؤزبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کردو گے تو نزلے بخار میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ ان دواؤں کا جوشاندہ بنا کر پی لوگے تو نزلہ بخار خود بھاگ جائے گا۔ بس یہی حال کلمہ طیبہ کا بھی ہے۔ فقط چھ سات لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ

آدمی کافر سے مسلمان ہوجائے، ناپاک سے پاک ہوجائے، مردود سے محبوب بن جائے، دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہوگا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور وہ مطلب تمہارے دل میں اتر جائے۔ پھر مطلب کو جان بوجھ کر جب تم ان الفاظ کو زبان سے نکالو تو تمہیں اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تم اپنے خدا کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہو اور اس اقرار سے تمہارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری آگئی ہے پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم نے اقرار کرلیا تو اسکے بعد تمہارے خیالات پر اور تمہاری ساری زندگی پر اس کلمہ کا قبضہ ہوجانا چاہئے۔ پھر تم کو اپنے دل و دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہئے جو اس کلمہ کیخلاف ہو۔ پھر تم کو ہمیشہ کیلئے بالکل فیصلے کرلینا چاہئے کہ جو بات اس کلمہ کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے سارے معاملات میں یہ کلمہ تمہارا حاکم ہونا چاہئے۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد تم کافروں کی طرح آزاد نہیں رہیکہ جو چاہو کرو۔ بلکہ اب تم اس کلمہ کے پابند ہو، جو وہ کہے اسکو کرنا پڑے گا۔ اور جس سے وہ منع کرے اسکو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح کلمہ پڑھنے کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی تم سے کیا۔

آؤ اب میں تمہیں بتاؤں کہ کلمہ کا مطلب کیا ہے اور اسکو پڑھ کر آدمی کس چیز کا اقرار کرتا ہے اور اسکا اقرار کرتے ہی کس چیز کا پابند ہوجاتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کہ سواء کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ میں الٰہ کا جو لفظ آیا ہے اسکے معنی خدا کے ہیں۔ خدا اسکو کہتے ہیں جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے اور پوسنے والا ہو، دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہو اور اسکا مستحق ہو کہ اسکی عبادت کی جائے۔ اب جو تم نے لا الہ الا اللہ کہا تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ اول تو تم نے اقرار کیا کہ یہ دنیا نہ تو بغیر خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہی ہیکہ اسکے بہت سے خدا ہوں۔ بلکہ دراصل اسکا خدا ہے اور وہ خدا ایک ہی ہے، اور اس ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہیکہ وہی ایک خدا تمہارا اور سارے جہاں کا مالک ہے تم اور تمہاری ہر چیز اور دنیا کی ہر شئے اس کی ہے۔ خالق وہ ہے رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے۔ مصیبت اور راحت بھی اسی کی طرف سے ہے جو کچھ کسی کو ملتا ہے اسکو دینے والا حقیقت میں وہ ہے اور جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اسکا چھیننے والا بھی حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہئے تو اس سے، مانگنا چاہئے تو اس سے، سر جھکانا چاہئے تو اسکے سامنے، عبادت اور بندگی کی جائے تو اسکی۔ اسکے سوا ہم کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اسکے سواء ہمارا آقا نہیں۔ ہمارا اصلی فرض یہ ہیکہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد و پیمان ہے جو لا الہ الا اللہ پڑھتے ہی تم اپنے خدا سے کرتے ہو اور ساری دنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو۔ اسکی خلاف ورزی کروگے تو تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ پاؤں، تمہارا رونگٹا رونگٹا، اور زمین اور آسمان کا ایک ایک

ذرہ جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا، تمہارے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دے گا۔ اور تم ایسی بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑے ہوگے کہ ایک بھی گواہ تم کو صفائی پیش کرنے کیلئے نہ ملے گا۔ کوئی وکیل یا بیرسٹر وہاں تمہاری طرف سے پیروی کرنے والا نہ ہوگا، بلکہ خود وکیل صاحب اور بیرسٹر صاحب، جو دنیا کی عدالتوں میں قانون کی الٹ پھیر کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی وہاں تمہاری ہی طرح بے بسی کی عالم میں کھڑے ہوں گے۔ وہ عدالت ایسی نہیں ہے جہاں تم جھوٹی گواہیاں اور جعلی دستاویز پیش کرکے اور غلط پیروی کرکے بچ جاؤ گے۔ دنیا کی پولیس سے تم اپنا جرم چھپا سکتے ہو، خدا کی پولیس سے نہیں چھپا سکتے۔ دنیا کی پولیس رشوت کھا سکتی ہے، خدا کی پولیس رشوت کھانے والی نہیں۔ دنیا کے گواہ جھوٹ بول سکتے ہیں خدا کے گواہ بالکل سچے ہیں، دنیا کے حاکم بے انصافی کرسکتے ہیں خدا ایسا حاکم نہیں جو بے انصافی کرے۔ پھر خدا جس جیل میں ڈالے گا اس سے بچ کر بھاگنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار نامہ کرنا بہت بڑی بے وقوفی، سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جب اقرار کرتے ہو تو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اسکو پورا کرو ورنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں ہیکہ خواہ مہ خواہ زبانی ہی اقرار کرلو۔ کیونکہ خالی خولی زبانی اقرار محض بیکار ہے۔

لا الہ الااللہ کہنے کے بعد تم محمد الرسول اللہ کہتے ہو۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ تم نے یہ تسلیم کرلیا کہ محمد مصطفےٰؐ ہی وہ پیغمبر ہیں جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں؟ ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے؟ کس قانون پر چلنے سے وہ ہم کو بخشے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا؟ یہ سب باتیں بتانے کیلئے خدا نے محمد مصطفےٰؐ کو اپنا پیغامبر مقرر کیا، آپؐ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی، اور آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرکے بتادیا کہ مسلمانوں کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔ پس جب تم نے محمد الرسول اللہ کہا تو گویا اقرار کرلیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے تم اسی کی پیروی کروگے، اور جو قانون اسکے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم نے حضورؐ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دیا اور دنیا کے قانون کو مانتے رہے تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے ایمان کوئی نہ ہوگا، کیوں کہ تم یہی اقرار کرکے تو اسلام میں داخل ہوئے تھے کہ محمد مصطفےٰؐ ہی کا لایا ہوا قانون حق ہے اور اسی کی تم پیروی کروگے۔ اسی اقرار کی بدولت تو تم مسلمانوں کے بھائی بنے، اسی کی بدولت تم نے باپ سے ورثہ پایا، اسی کی بدولت ایک مسلمان عورت سے تمہارا نکاح ہوا، اسی کی بدولت تمہاری اولاد تمہاری جائز اولاد بنی، اسی کی بدولت تمہیں یہ حق ملا کہ تمام مسلمان تمہارے مددگار بنیں، تمہیں زکوٰۃ دیں، تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیں، اور ان سب کے باوجود تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی بے ایمانی ہوسکتی ہے؟ اگر تم لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے معنی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اسکا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی چاہئے۔ خواہ اسکی پیروی پر مجبور کرنے والی پولیس اور عدالت اس دنیا میں نظر نہ آتی ہو، جو

شخص یہ سمجھتا ہیکہ خدا کی پولیس اور قانون کو توڑنا آسان ہے اور گورنمنٹ کی پولیس، فوج، عدالت اور جیل موجود ہے اس لئے اسکے قانون کو توڑنا مشکل ہے، ایسے شخص کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا جھوٹا اقرار کرتا ہے۔ اپنے خدا کو ساری دنیا کو تمام مسلمانوں کو اور خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے۔

بھائیو اور دوستو! ابھی میں نے تمہارے سامنے کلمہ طیبہ کے معنی بیان کئے ہیں۔ اب اسی سلسلہ میں ایک اور پہلو کی طرف تم کو توجہ دلاتا ہوں۔

تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور ہر چیز کا مالک ہے۔ اسکے کیا معنی ہیں؟ اسکے معنی یہ ہیں کہ تمہاری جان تمہاری اپنی نہیں، خدا کی ملک ہے، تمہارے ہاتھ اپنے نہیں، تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان اور تمہارے جسم کا کوئی عضو تمہارا اپنا نہیں۔ یہ زمینیں جن کو تم جوتتے ہو، یہ جانور جن سے تم خدمت لیتے ہو، یہ مال و اسباب جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، ان میں سے بھی کوئی چیز تمہاری نہیں۔ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمہیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمہیں یہ کہنے کا کیا حق ہیکہ جان میری ہے اور جسم میرا ہے، مال میرا ہے، اور فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اس کی چیز کو اپنی قرار دینا بالکل ایک لغو بات ہے۔ اگر حقیقت میں یہ بات سچے دل سے مانتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہی ہے تو اس سے دو باتیں خود بہ خود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر تمہارے حوالے کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اسی طرح تمہیں ان چیزوں سے کام لینا چاہئے۔ اس کی مرضی کے خلاف ان سے کام لیتے ہو تو دھوکا بازی کرتے ہو۔ تم اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو، تمہیں ان زمینوں اور ان جائدادوں پر بھی مالک کی منشاء کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تمہاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتے ہو اور تمہاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو یہ بھی صرف اس لئے تمہارے مالک کی دی ہوئی ہیں، لہٰذا تم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہئے۔ اگر اسکے خلاف کرو گے تو تمہاری حیثیت غاصب کی ہوگی۔ جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے، اسی طرح اگر خدا کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرو گے، یا خدا کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو، مال و جائیداد برباد ہوتو ہوا کرے تمہیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان پسند کرتا ہوتو اسکو حق ہے۔ ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام کرو اور اس میں کسی چیز کا نقصان ہوتو بلاشبہ تم مجرم ہوگے، کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا۔ تم خود اپنی جان کے مختار نہیں ہو، مالک کی مرضی کے مطابق جان دو گے تو مالک کا حق ادا کرو گے۔ اسکے خلاف کام کرنے میں جان دو گے تو یہ بے ایمانی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہیکہ مالک نے جو چیز تمہیں دی ہے اسکو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہو تو کسی پر احسان نہیں کرتے، نہ مالک پر احسان ہے نہ کسی اور پر۔ تم نے اگر اس کی راہ میں کچھ دیا، یا خدمت کی، یا جان دے دی جو تمہارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے، تب بھی کوئی احسان کسی پر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ جو کام تم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہیکہ مالک کا حق جو تم پر تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔ یہ کون سی ایسی بات ہے جس پر کوئی پھولے اور فخر کرے اور یہ چاہے کہ اسکی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام کیا ہے جس پر اسکی بڑائی تسلیم کی جائے؟ یاد رکھو کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھولتا نہیں ہے، بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ فخر کرنا کار خیر کو برباد کر دیتا ہے۔ تعریف کی خواہش جس نے کی اور اسکی خاطر کوئی کار خیر کیا، وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا، کیونکہ اس نے تو اپنے کام کا معاوضہ دنیا میں ہی مانگا اور یہیں اسکو مل بھی گیا۔

بھائیو! اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ اپنی چیز تم سے لیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے خریدی ہے اور اسکا معاوضہ میں تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر! اس شان جود و کرم کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

ان الله اشترى من المئومنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة. (توبہ : ۱۴)

اللہ نے ایمانداروں سے انکی جانیں اور انکے مال خرید لئے ہیں اس معاوضہ میں ان کیلئے جنت ہے۔

یہ تو مالک کا برتاؤ تمہارے ساتھ ہے۔ اب ذرا اپنا برتاؤ بھی دیکھو۔ جو چیز مالک نے تم کو دی تھی، اور جس کو مالک نے پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا، اسکو غیروں کے ہاتھ بیچتے ہو، نہایت ذلیل معاوضہ لے کر بیچتے ہو۔ وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں اور تم یہ سمجھ کر انکی خدمت کرتے ہو کہ گویا رازق وہ ہیں۔ تم اپنے دماغ بیچتے ہو، اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو، اپنے جسم کی طاقتیں بیچتے ہو، اور وہ سب کچھ بیچتے ہو جسکو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بد اخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے؟ بیچی ہوئی چیز کو بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ دنیا میں اس پر دغابازی اور فریب دہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائیگا؟

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیث

برادران اسلام! پچھلے خطبے میں کلمہ طیبہ کے متعلق میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ آج پھر اسی کلمہ کی کچھ اور تشریح میں آپکے سامنے بیان کروں گا۔ اس لئے کہ یہ کلمہ ہی اسلام کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ سے آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے اور کوئی شخص حقیقت میں مسلمان بن نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کلمہ کو پوری طرح سمجھ نہ لے اور اپنی زندگی کو اسکے مطابق نہ بنالے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں اس کلمہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

الم تر کیف ضرب الله مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء تونی اکلها کل حین باذن ربها و یضرب الله الامثال للناس لعلهم یتذکرون۔ و مثل کلمة خبیثة کشجرة خبیث ن جتثت من فوق الارض ما لها من قرار یثبت الله الذین آمنو بالقول الثابت فی الحیواة الدنیا و فی الآخرة و یضل الله الظلمین و یفعل الله مایشاء (ابراهیم:۴)

یعنی کلمہ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑ زمین میں خوب جمی ہوئی اور جسکی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پر پھل لائے چلا جاتا ہو۔ اسکے برعکس کلمہ خبیثہ یعنی برا اعتقاد اور جھوٹا قول ایسا ہے جیسے ایک بد ذات خودرو پودا کہ وہ بس زمین کے اوپر ہی اوپر ہوتا ہے اور ایک اشارہ میں جڑ چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اس کی جڑ گہری جمی ہوئی نہیں ہوتی۔

یہ ایسی بے نظیر مثال ہیکہ اگر تم اس پر غور کرو تو تمہیں اس سے بڑا سبق ملے گا۔ دیکھو، تمہارے سامنے دونوں قسم کے درختوں کی مثالیں موجود ہیں ایک تو یہ آم کا درخت ہے۔ کتنا گہرا جما ہوا ہے۔ کتنی بلندی تک اٹھا ہوا ہے۔ کتنی اسکی شاخیں پھیلی ہوئیں ہیں۔ کتنے اچھے پھل اس میں لگتے ہیں یہ بات اسے کیوں حاصل ہوئی؟ اس لئے کہ اسکی گٹھلی زوردار تھی، اسکو درخت بننے کا حق حاصل تھا، اور وہ حق اتنا سچا تھا کہ جب اس نے اپنے حق کا دعویٰ کیا تو زمین نے، پانی نے، ہوا نے، دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک نے، غرض ہر چیز نے اسکے حق کو تسلیم کیا اور اس نے جس سے جو کچھ مانگا ہر ایک نے اسکو دیا۔ اس طرح وہ اپنے حق کے زور سے اتنا بڑا درخت بن گیا اور اپنے میٹھے پھل دے کر اس نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت میں وہ اسی قابل تھا کہ ایسا درخت بنے اور زمین و آسمان کی ساری قوتوں نے مل کر اگر اسکا ساتھ دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا۔ بلکہ انکو ایسا کرنا ہی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ درختوں کو غذا دینے اور بڑھنانے اور پکانے کی جو طاقت زمین اور پانی اور ہوا اور دوسری چیزوں کے پاس ہے وہ اسی کام کیلئے تو ہیکہ اچھی ذات والے درختوں کے کام آئے۔

اسکے مقابلہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور خودرو پودے ہیں۔ انکی بساط ہی کیا ہے؟ ذرا سی جڑ، کہ ایک بچہ اکھاڑ لے۔ نرم اور بودے اتنے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے مرجھا جائیں۔ ہاتھ لگاؤ تو کانٹے سے تمہاری خبر لیں گے۔ چکھو تو منہ کا مزہ خراب کر دیں۔ روز خدا جانے کتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اکھاڑے جاتے ہیں۔ انکا یہ حال کیوں ہے؟ اس لئے کہ انکے پاس حق کا وہ زور نہیں جو آم کے پاس ہے۔ جب اعلیٰ ذات کے درخت نہیں ہوتے تو زمین بے کار پڑے پڑے اکتا جاتی ہے اور ان پودوں کو اپنے اندر جگہ دے دیتی ہے۔ کچھ مدد پانی کر دیتا ہے، کچھ ہوا اپنے پاس سے سامان دے دیتی ہے۔ مگر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ایسے پودوں کا حق ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ زمین اپنے اندر ان کی جڑیں پھیلنے دیتی ہے نہ پانی انکو دل کھول کر غذا دیتا ہے اور نہ ہوا کھلے دل سے انکو پروان چڑھاتی ہے۔ پھر جب اتنی سی بساط پر یہ خبیث پودے بدمزہ، خاردار اور زہریلے بن کر اٹھتے ہیں تو واقع میں

ثابت ہوجاتی ہیکہ زمین وآسمان کی طاقتیں ایسے پودے اگانے کیلئے نہیں تھیں۔ ان کو اتنی زندگی بھی ملی تو بہت ملی۔

ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھو اور پھر کلمہ طیب اور کلمہ خبیث کے فرق پر غور کرو۔

کلمہ طیب کیا ہے، ایک سچی بات ہے، ایسی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی نہیں ہوسکتی۔ سارے جہاں کا خدا ایک مالک اللہ ہے۔ اس چیز پر زمین اور آسمان کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے یہ انسان، یہ جانور، یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذرے، یہ بہتی ہوئی نہر، یہ چمکتا ہوا سورج، یہ ساری چیزیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے کونسی چیز ہے جس کو اللہ کے کسی اور نے پیدا کیا ہو؟ جو اللہ کے سوا کسی اور کی مہربانی سے زندہ اور قائم رہ سکے؟ جس کو اللہ کے سواء کوئی اور فنا کرسکتا ہو؟ پس جب یہ سارا جہاں اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کا عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا مالک اور حاکم ہے' تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہاں میں اس ایک اللہ کے سواء کسی اور کی خدائی نہیں ہے" تو زمین اور آسمان کی ایک ایک چیز پکارے گی کہ تو نے بالکل سچی بات کہی۔ ہم سب تیرے اس قول کی صداقت پر گواہ ہیں۔ جب تم اسکے آگے سر جھکاؤ گے تو کائنات کی ہر چیز تمہارے ساتھ جھک جائے گی، کیونکہ یہ ساری چیزیں بھی اسی کی عبادت گذار ہیں۔ جب تم اسکے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین وآسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی کیوں کہ یہ سب بھی تو اسی خدا کے فرماں بردار ہیں۔ جب تم اس کی راہ چلو گے تو تم اکیلے نہ ہوگے بلکہ کائنات کا بے شمار لشکر تمہارے ساتھ چلے گا کیونکہ آسمان کے سورج سے لے کر زمین کے ایک حقیر ذرے تک ہر چیز ہر آن اسی کی راہ میں تو چل رہی ہے۔ جب تم اس پر بھروسہ کرو گے تو کسی چھوٹی طاقت پر بھرسہ نہ کرو گے بلکہ اس عظیم الشان طاقت پر بھروسہ کرو گے جو زمین اور آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ غرض اس حقیقت پر جب تم نظر رکھو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کلمہ طیبہ پر ایمان لا کر جو انسان اپنی زندگی کو اسی کے مطابق بنالے گا زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اسکا ساتھ دیں گی۔ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا اور پھولتا ہی چلا جائے گا۔ اور کبھی ایک لمحہ کیلئے ناکامی ونامرادی اسکے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالی نے بیان فرمائی ہیکہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔

اسکے مقابلہ میں کلمہ خبیث کو دیکھو۔ کلمہ خبیث کیا چیز ہے؟ یہ کہ اس جہاں کا کوئی خدا نہیں۔ یا یہ کہ ایک اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی بھی ہے غور کرو اس سے بڑھ کر جھوٹی اور بے اصل بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ زمین اور آسمان کی کون سی چیز اس پر گواہی دیتی ہے؟ دہریہ کہتا ہیکہ خدا نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہیکہ تو جھوٹا ہے۔ ہم کو اور تجھ کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور اسی خدا نے تجھ کو وہ زبان دی ہے جس سے تو یہ جھوٹ بک رہا ہے۔ مشرک کہتا ہیکہ خدائی میں دوسرے بھی اللہ کے شریک ہیں، دوسرے بھی رازق ہیں، دوسرے بھی مالک ہیں، دوسرے قسمتیں بناتے اور بگاڑتے ہیں' دوسرے بھی فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں، دوسرے بھی دعائیں

سننے والے ہیں، دوسرے بھی مرادیں پوری کرنے والے ہیں' دوسرے بھی ڈرنے کے لائق ہیں دوسرے بھی بھروسا کرنے کے قابل ہیں، اس خدائی میں دوسروں کا حکم بھی چلتا ہے' اور خدا کے سواء دوسروں کا فرمان اور قانون بھی پیروی کے لائق ہے۔ اسکے جواب میں زمین و آسمان کی ہر چیز کہتی ہیکہ تو بالکل جھوٹا ہے۔ ہر ہر بات جو تو کہہ رہا ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اب غور کرو کہ یہ کلمہ جو شخص اختیار کرے گا اور اسکے مطابق جو شخص زندگی بسر کرے گا، دنیا اور آخرت میں وہ کیوں کر پھل پھول سکتا ہے؟ اللہ نے اپنی مہربانی سے ایسے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے اور رزق کا وعدہ ان سے کیا ہے۔ اس لئے زمین اور آسمان کی طاقتیں کسی نہ کسی طرح اسکو بھی پرورش کریں گی جس طرح جھاڑ جھنکاڑ اور خودرو پودوں کو بھی آخر پرورش کرتی ہی ہیں۔ لیکن کائنات کی کوئی چیز بھی اسکا حق سمجھ کر اسکا ساتھ نہ دے گی۔ اور نہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی مدد ہی کریگی۔ وہ ان ہی خودرو درختوں کی طرح ہوگا جن کی مثال ابھی آپکے سامنے بیان ہوئی ہے۔

یہی فرق دونوں کے پھلوں میں ہے۔ کلمہ طیبہ جب بھی پھلے گا اس سے میٹھے اور مفید پھل ہی پیدا ہوں گے۔ دنیا میں اس سے امن قائم ہوگا۔ نیکی اور سچائی اور انصاف کا بول بالا ہوگا اور خلق خدا اس سے فائدہ ہی اٹھائے گی۔ مگر کلمہ خبیث کی جتنی پرورش ہوگی اس سے خاردار شاخیں ہی نکلیں گی۔ اس میں کڑوے کسیلے ہی پھل آئیں گے۔ اسکی رگ رگ میں زہر ہی بھرا ہوگا۔ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جہاں کفر اور شرک و دہریت کا زور ہے وہاں کیا ہو رہا ہے؟ آدمی کو آدمی پھاڑ کھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آبادیوں کی آبادیاں تباہ کرنے کے سامان ہو رہے ہیں۔ زہریلی گیسیں بن رہی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو برباد کر دینے پر تلی ہوئی ہے۔ جو طاقتور ہے وہ کمزوروں کو غلام بناتا ہے، صرف اس لئے کہ اسکے حصہ کی روٹی خود چھین کر کھا جائے۔ اور جو کمزور ہے وہ فوج اور پولیس اور جیل اور پھانسی کے زور سے دب کر رہنے اور طاقتور کا ظلم سہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر ان قوموں کی اندرونی حالات کیا ہے؟ اخلاق بد سے بدتر ہیں جن پر شیطان بھی شرمائے۔ انسان وہ کام کر رہا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں کہ کہیں یہ بچے ان کے عیش میں خلل نہ ڈال دیں۔ شوہر اپنی بیویوں کو خود غیروں کی بغل میں دیتے ہیں تا کہ انکی بیویاں انکی بغل میں آئیں۔ ننگوں کے کلب بنائے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورت جانوروں کی طرح برہنہ ایک دوسرے کے سامنے پھرتے ہیں۔ امیر سود کے ذریعہ سے غریبوں کا خون چوسے لیتے ہیں' اور مال دار ناداروں سے اس طرح خدمت لیتے ہیں کہ گویا وہ انکے غلام ہیں اور صرف انکی خدمت ہی کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ غرض اس کلمہ خبیث سے جو پودا جہاں پیدا ہوا ہے کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور جو پھل بھی اس میں لگتا ہے کڑوا اور زہریلا ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ان دونوں مثالوں کو بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرماتا ہیکہ: یثبت الله الذین آمنو بالقول الثابت فی الحیواة الدنیا و فی الاخرة و یضل الله الظلمین. یعنی کلمہ طیب پر جو لوگ ایمان لائیں گے اللہ انکو ایک مضبوط قول کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات اور جماؤ بخشے گا اور انکے مقابلہ میں وہ ظالم لوگ جو

کلمہ خبیث کو مانیں گے اللہ انکی ساری کوششوں کو بھٹکا دے گا، وہ کبھی کوئی سیدھا کام نہ کریں گے جس سے دنیا یا آخرت میں کوئی اچھا پھل پیدا ہو۔

بھائیو! کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا فرق اور دونوں کے نتیجے تم نے سن لئے اب تم یہ سوال ضرور کرو گے کہ ہم تو کلمہ طیبہ کے ماننے والے ہیں، پھر کیا بات ہیکہ ہم نہ پھلتے ہیں پھولتے ہیں اور کفار جو کلمہ خبیثہ کے ماننے والے ہیں یہ کیوں پھل پھول رہے ہیں؟

اسکا جواب میرے ذمہ ہے اور میں جواب دوں گا بشرطیکہ آپ میں سے کوئی میرے جواب پر برا نہ مانے بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ میرا جواب واقعی صحیح ہے یا نہیں؟

اول تو آپکا یہی کہنا غلط ہیکہ آپ کلمہ طیبہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کو ماننے کے معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے نہیں ہے۔ اسکے معنی دل سے ماننے کے ہیں اور اس طرح ماننے کے ہیں کہ اسکے خلاف کوئی عقیدہ آپکے دل میں نہ رہے اور اسکے خلاف کوئی کام آپ سے ہو نہ سکے۔ میرے بھائیو! خدارا مجھے بتاؤ کیا تمہارا حقیقت میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکانہ اور کافرانہ خیالات تم میں نہیں پھیلے ہوئے ہیں جو کلمہ طیبہ کے بالکل خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سواء دوسروں کے آگے نہیں جھک رہا ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف نہیں کیا کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قانون کی خوشی خوشی پیروی نہیں کرتا؟ کیا اپنے آپکو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جا کر یہ صاف نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم ورواج کو مانتے ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں جن کو دنیوی فائدوں کیلئے خدا کے قانون کی کسی دفعہ کو توڑنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا؟ کیا تم میں وہ لوگ موجود نہیں ہیں جن کو کفار کے غضب کا ڈر ہے مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفار کی نظر عنایت حاصل کرنے کیلئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں خدا کی نظر عنایت حاصل کرنے کیلئے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفار کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انہیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدارا سچ بتاؤ کیا یہ واقع نہیں ہے؟ اگر یہ واقعی ہے تو پھر کس منہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمہ طیبہ کے ماننے والے ہیں اور اسکے باوجود ہم نہ پھولتے نہ پھلتے ہیں۔ پہلے سچے دل سے ایمان تو لاؤ اور کلمہ طیبہ کے مطابق زندگی اختیار تو کرو پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے تو معاذ اللہ، معاذ اللہ، اپنے خدا کو جھوٹا سمجھ لینا کہ اس نے تمہیں بات غلط بات کا یقین دلایا۔

پھر آپکا یہ کہنا بھی غلط ہیکہ جو کلمہ خبیثہ کو مانتے ہیں وہ واقعی دنیا میں پھل پھول رہے ہیں۔ کلمہ خبیثہ کو ماننے والے نہ کبھی پھولے پھلے ہیں نہ آج پھل پھول رہے ہیں۔ تم دولت کی کثرت، عیش وعشرت کے اسباب اور ظاہری شان وشوکت کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ پھل پھول رہے ہیں۔ مگر انکے دلوں سے پوچھو کہ کتنے ہیں جن کو اطمینان

قلب میسر ہے؟ ان کے اوپر عیش کے سامان لدے ہوئے ہیں مگر ان کے دلوں میں آگ کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں جوان کو کسی وقت چین نہیں لینے دیتیں۔ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نے ان کے گھروں کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ اخباروں میں دیکھو کہ یوروپ اور امریکہ میں خودکشی کا کتنا زور ہے، طلاق کی کیسی کثرت ہے۔ نسلیں کس کی گھٹ رہی ہیں اور گھٹائی جارہی ہیں۔ امراض خبیثہ نے کس طرح لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تباہ کردی ہیں۔ مختلف طبقوں کے درمیان روٹی کے لئے کیسی کشمکش برپا ہے۔ حسد اور بغض اور دشمنی نے کس طرح ایک ہی جنس کے آدمیوں کو آپس میں لڑا رکھا ہے۔ عیش پسندی نے لوگوں کے لئے زندگی کو کس قدر تلخ بنادیا ہے۔ اور یہ بڑے بڑے عظیم الشان شہر جن کو دور سے دیکھ کر آدمی رشک جنت سمجھتا ہے، ان کے اندر لاکھوں انسان کس مصیبت کی زندگی بسر کررہے ہیں، کیا اسی کو پھلنا اور پھولنا کہتے ہیں؟ کیا یہی وہ جنت ہے جس پر تم رشک کی نگاہیں ڈالتے ہو؟

میرے بھائیو! یاد رکھو کہ خدا کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں کلمہ طیبہ کے سوا کوئی کلمہ نہیں جس کی پیروی کرکے انسان کو دنیا میں راحت اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہوسکے۔ تم جس طرف چاہو نظر دوڑا کر دیکھ لو، اسکے خلاف تم کو کہیں کوئی چیز نہ مل سکے گی۔

کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد

برادران اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے کلمہ طیبہ کا مطلب بیان کرچکا ہوں۔ آج میں اس سوال پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اس کلمہ پر ایمان لانے کا فائدہ اور اس کی ضرورت کیا ہے؟

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے کسی نہ کسی غرض، کسی نہ کسی فائدہ کیلئے کرتا ہے۔ بے غرض، بے مقصد، بے فائدہ کوئی کام نہیں کیا کرتا۔ آپ پانی کیوں پیتے ہیں؟ اسلئے کہ پیاس بجھے۔ اگر پانی پینے کے بعد بھی آپکا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے ہوتا ہے تو آپ ہرگز پانی نہ پئیں۔ کیونکہ یہ ایک بے نتیجہ کام ہوگا۔ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ اسلئے بھوک رفع ہو اور آپ میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر کھانا کھانے اور نہ کھانے کے نتیجہ ایک ہی ہو تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ بالکل ایک فضول کام ہے۔ بیماری میں آپ دوا کیوں پیتے ہیں؟ اسلئے کہ بیماری دور ہوجائے۔ اور تندرستی حاصل ہو، اگر دوا پی کر بھی بیمار کا وہی حال ہو جو دوا پینے سے پہلے تھا تو آپ یہی کہیں گے کہ ایسی دوا پینا بے کار ہے، آپ زراعت میں اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ اسلئے زمین سے غلہ اور پھل اور ترکاریاں پیدا ہوں۔ اگر بیج بونے پر بھی زمین سے کوئی چیز نہ اگتی تو آپ ہل چلانے اور تخم ریزی کرنے اور پانی دینے میں اتنی محنت ہرگز نہ کرتے۔ غرض آپ دنیا میں جو کام بھی کرتے ہیں اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوا ہے۔ اگر مقصد حاصل ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک ہوا، اگر مقصد حاصل نہ ہو تو آپ کہتے ہیں کام ٹھیک نہیں ہوا۔

اس بات کو ذہن میں رکھئے اور میرے ایک ایک سوال کا جواب دیتے جائیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کلمہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب آپ اس کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں فرق ہو جائے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ فرق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کافر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو مسلمان کی چار آنکھیں ہو جائیں؟ یا کافر کا ایک سر ہوتا ہے تو مسلمان کے دو سر ہو جائیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ فرق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ کافر کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو جائے اور ناکام نامراد رہے اور مسلمان کا انجام یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہو اور آخرت میں وہ کامیاب اور بامراد رہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب آپ نے بالکل ٹھیک دیا، مگر مجھے یہ بتائیے کہ آخرت کیا چیز ہے؟ آخرت کی ناکامی و نامرادی سے کیا مطلب ہے؟ اور وہاں کامیاب اور بامراد ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جب تک میں اس بات کو نہ سمجھ لوں اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس سوال کا جواب آپ کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اسکا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ الدنیا مزرعة الآخرة۔ یعنی دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتداء دنیا ہے اور انتہا آخرت! ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے۔ آپ زمین میں ہل جوتتے ہیں، پھر بیج بوتے ہیں، پھر پانی دیتے ہیں، پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے، اور اسکو کاٹ کر آپ سال بھر تک مزے سے کھاتے رہتے ہیں۔ آپ زمین میں جس چیز کی کاشت کریں گے اسی کی فصل تیار ہوگی۔ گیہوں بوئیں گے تو گیہوں پیدا ہوگا، کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہونگے، کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ نہ پیدا ہوگا۔ ہل چلانے اور بیج بونے اور پانی دینے اور کھیتی کی رکھوالی کرنے میں جو غلطیاں اور کوتاہیاں آپ سے ہوں گی ان سب کا برا اثر آپکو فصل کاٹنے کے موقع پر معلوم ہوگا، اور اگر آپ نے یہ سب کام اچھی طرح کئے ہیں تو انکا فائدہ بھی آپ فصل ہی کاٹنے کے وقت دیکھیں گے۔ بالکل یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے۔ دنیا ایک کھیتی ہے، اس کھیتی میں آدمی کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اپنے لئے فصل تیار کرے، پیدائش سے لے کر موت تک کیلئے آدمی کو اس کام کی مہلت دی گئی ہے۔ اس مہلت میں جیسی فصل آدمی نے تیار کی ہے ویسی ہی فصل وہ موت کے بعد دوسری زندگی میں کاٹے گا اور پھر جو فصل وہ کاٹے گا اسی پر آخرت کی زندگی میں اسکا گزر بسر ہوگا۔ اگر کسی نے عمر بھر دنیا کی کھیتی میں اچھے پھل بوئے ہیں، اور انکو خوب پانی دیا ہے اور انکی خوب رکھوالی کی ہے تو آخرت کی زندگی میں جب وہ قدم رکھے گا تو اپنی محنت کی کمائی ایک سرسبز و شاداب باغ کی صورت میں تیار پائے گا اور اسے اپنی اس دوسری زندگی میں پھر کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، بلکہ دنیا میں عمر بھر محنت کر کے جو باغ اس نے لگایا تھا اسی باغ کے پھلوں پر آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ اسی چیز کا نام جنت ہے اور آخرت میں بامراد ہونے کا یہی مطلب ہے اسکے مقابلہ میں جو شخص اپنی دنیا کی زندگی میں کانٹے اور کڑوے کسیلے زہریلے پھل بوتا رہا ہے اسکو آخرت کی

زندگی میں انہی پھلوں کی فصل تیار ملے گی۔ وہاں پھر اسکو دوبارہ اتنا موقع نہیں ملے گا کہ اپنی اس حماقت کی تلافی کر سکے اور اس خراب فصل کو جلا کر دوسری اچھی فصل تیار کر سکے۔ پھر تو اسکو آخرت کی ساری زندگی اسی فصل پر بسر کرنی ہوگی جسے وہ دنیا میں تیار کر چکا ہے جو کانٹے اس نے بوئے تھے انہی کے بستر پر اسے لیٹنا ہوگا، اور جو کڑوے کسیلے زہریلے پھل اس نے لگائے تھے وہی اسکو کھانا پڑیں گے۔ یہی مطلب ہے آخرت میں ناکام و نامراد ہونے کا۔

آخرت کی یہ شرح جو میں نے بیان کی ہے، حدیث اور قرآن سے بھی یہی شرح ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی میں انسان کا نامراد یا بامراد ہونا، اور اسکے انجام کا اچھا یا برا ہونا دراصل نتیجہ ہے دنیا کی زندگی میں اسکے علم اور عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا۔

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلمان اور کافر کے انجام کا فرق یونہی بلا وجہ نہیں ہو جاتا۔ دراصل انجام کا فرق آغاز ہی کے فرق کا نتیجہ ہے۔ جب تک دنیا میں مسلمان اور کافر کے علم و عمل کے درمیان فرق نہ ہوگا آخرت میں بھی ان دونوں کے انجام کے درمیان فرق نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہیکہ دنیا میں ایک شخص کا علم اور عمل وہی ہو جو کافر کا علم اور عمل ہے' اور پھر آخرت میں وہ اس انجام سے بچ جائے جو کافر کا انجام ہوتا ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہیکہ کلمہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ پہلے آپ نے اسکا جواب یہ دیا تھا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہیکہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو اب انجام اور آخرت کی جو تشریح آپ نے سنی ہے اسکے بعد آپکو اپنے جواب پر پھر غور کرنا ہوگا۔ اب آپکو یہ کہنا پڑے گا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد دنیا میں انسان کے علم اور عمل کو درست کرنا ہے تاکہ آخرت میں اسکا انجام درست ہو۔ یہ کلمہ انسان کو دنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے۔ جس کے پھل آخرت میں اسکو توڑنے ہیں، اگر آدمی اس کلمہ کو نہیں مانتا تو اسکو باغ لگانے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ باغ لگائے گا کس طرح اور آخرت میں پھل کس چیز کے توڑے گا؟ اور اگر آدمی اس کلمہ کو زبان سے پڑھ لیتا ہے مگر اسکا علم بھی وہی رہتا ہے جو نہ پڑھنے والے کا علم تھا' اور اسکا عمل بھی ویسا ہی رہتا ہے جیسا کافر کا عمل تھا تو آپکی عقل خود کہہ دے گی کہ ایسا کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کا انجام کافر کے انجام سے مختلف ہو۔ زبان سے کلمہ پڑھ کر اس نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا ہیکہ باغ لگانے کا طریقہ بھی وہ نہ سیکھے، باغ لگائے بھی نہیں، ساری عمر کانٹے ہی بوتا رہے اور پھر بھی آخرت میں اسکو پھلوں سے لدا ہوا لہلہاتا باغ مل جائے۔ جیسا کہ میں پہلے کئی مثالیں دے کر بیان کر چکا ہوں جس کام کے کرنے اور نہ کرنے کا نتیجہ ایک ہو وہ کام فضول اور بے معنی ہے جس دوا کو پینے کے بعد بھی بیماری کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے تھا وہ دوا حقیقت میں دوا نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کلمہ پڑھنے والے آدمی کا علم اور عمل بھی وہی کا وہی رہے جو کلمہ نہ پڑھنے والے کا ہوتا ہے تو ایسا کلمہ پڑھنا محض بے معنی ہے۔ جب دنیا میں کافر اور مسلم کی زندگی میں فرق نہ ہوا تو آخرت میں انکے انجام میں فرق کیسے ہو سکتا ہے؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہیکہ وہ کونسا علم ہے جو کلمہ طیبہ انسان کو سکھاتا ہے؟ اور اس علم کو سیکھنے کے بعد مسلمان کے عمل اور کافر کے عمل میں کیا فرق ہو جاتا ہے؟

دیکھئے پہلی بات جو اس کلمہ سے آپکو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہیکہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور کسی کے بندے نہیں ہیں۔ یہ بات جب آپکو معلوم ہوگئی تو خود بخود آپکو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ جسکے بندے ہیں' دنیا میں آپکو اسی کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ اسکی مرضی کیخلاف اگر آپ چلیں گے تو یہ اپنے مالک سے بغاوت ہوگی۔

اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہیکہ حضرت محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی' تو اسکے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہوگئی کہ اللہ کے رسولؐ نے دنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کے بجائے پھولوں اور میٹھے پھلوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے اسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہئے۔ اگر آپ اس طریقہ کی پیروی کریں گے تو آخرت میں آپ کو اچھی فصل ملے گی اور اگر اس کے خلاف عمل کریں گے تو دنیا میں کانٹے بوئیں گے اور آخرت میں کانٹے ہی پائیں گے۔

یہ علم ہونے کے بعد لازم ہیکہ آپکا عمل بھی اسکے مطابق ہو۔ اگر آپ کو یقین ہیکہ ایک دن مرنا ہے' اور مرنے کے بعد پھر ایک دوسری زندگی ہے اور اس زندگی میں آپکو اسی فصل پر گزر کرنا ہوگا جسے آپ اس زندگی میں تیار کر جائیں گے ہو تو پھر یہ ناممکن ہیکہ آپ رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکیں۔ دنیا میں آپ کھیتی باڑی کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے کہ آپ کو یقین ہیکہ اگر کھیتی باڑی نہ کی تو غلہ پیدا نہ ہوگا' اور غلہ نہ پیدا ہوا تو بھوکے مر جائیں۔ اگر آپکو اس بات کا یقین نہ ہوتا اور آپ سمجھتے کہ کھیتی باڑی کے بغیر ہی غلہ پیدا ہو جائے گا' یا غلہ کے بغیر بھی آپ بھوک سے بچ جائیں گے' تو ہرگز آپ کھیتی باڑی میں محنت نہ کرتے۔ بس اسی پر اپنے حال کو قیاس کر لیجئے۔ جو شخص زبان سے یہ کہتا ہیکہ میں خدا کو اپنا مالک' اور رسول پاکؐ کو خدا کا رسول مانتا ہوں اور آخرت کی زندگی کو بھی مانتا ہوں' مگر عمل اسکا قرآن کی تعلیم اور رسول اللہؐ کی سنت کے خلاف ہے، اسکے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ درحقیقت اسکا ایمان کمزور ہے۔ اسکو جیسا یقین اپنی کھیتی میں کاشت نہ کرنے کے برے انجام کا ہے اگر ویسا ہی یقین آخرت کا فصل تیار نہ کرنے کے برے انجام کا بھی ہو تو وہ کبھی اسکام میں غفلت نہ کرے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے حق میں کانٹے نہیں بوتا۔ کانٹے وہی بوتا ہے جسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ جو چیز بو رہا ہے اس سے کانٹے پیدا ہوں گے اور وہ کانٹے اسکو تکلیف دیں گے۔ آپ جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارہ نہیں اٹھاتے کیونکہ آپکو یقین ہیکہ جلا دے گا، مگر ایک بچہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم نہیں ہیکہ اسکا انجام کیا ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان کسے کہتے ہیں

برادران اسلام! آج میں آپ کے سامنے مسلمان کی صفات بیان کروں گا۔ یعنی یہ بتاؤں گا کہ مسلمان ہونے کے لئے کم سے کم شرطیں کیا ہیں، آدمی کو کم از کم کیا ہونا چاہئے کہ وہ مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہو۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہئے کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ کفر یہ ہے کہ آدمی خدا کی فرمانبرداری سے انکار کردے، اور اسلام یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کا فرماں بردار ہو اور ہر ایسے طریقے، یا قانون، یا حکم کو ماننے سے انکار کردے جو خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اسلام اور کفر کا یہ فرق قرآن مجید میں صاف صاف بیان کردیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاو لئک ھم الکفرون (مائدہ: ۴۴)

یعنی جو شخص خدا کی اتاری ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے، ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں۔

فیصلہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ عدالت میں جو مقدمہ جائے بس اسی کا فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ہو۔ بلکہ دراصل اس سے مراد وہ فیصلہ ہے جو ہر شخص اپنی زندگی میں ہر وقت کیا کرتا ہے۔ ہر موقع پر تمہارے سامنے یہ سوال آتا ہیکہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ فلاں بات اس طرح کی جائے یا اس طرح کی جائے؟ فلاں معاملہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے یا وہ طریقہ اختیار کیا جائے؟ تمام ایسے موقعوں پر ایک طریقہ خدا کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی سنت بتاتی ہے اور دوسرا طریقہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات، باپ، دادا کی رسمیں یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون بتاتے ہیں۔ اب جو شخص خدا کے بتائے ہوئے طریقے چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل کفر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اس نے اپنی ساری زندگی ہی کے لئے یہ ڈھنگ اختیار کیا ہے تو وہ پورا کافر ہے۔ اور اگر وہ بعض معاملات میں تو خدا کی ہدایت کو مانتا ہو اور بعض میں اپنے نفس کی خواہشات کو یا رسم و رواج کو یا انسانوں کے قانون کے خدا کے قانون پر ترجیح دیتا ہو تو، جس قدر بھی وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتا ہے اسی قدر کفر میں مبتلا ہے کوئی آدھا کافر ہے کوئی چوتھائی کافر ہے کسی میں دسواں حصہ کفر کا ہے اور کسی میں بیسواں حصہ، غرض جتنی خدا کے قانون سے بغاوت ہے اتنا ہی کفر بھی ہے۔

اسلام اس کے سواء کچھ نہیں ہے کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو۔ نفس کا بندہ نہ باپ دادا کا بندہ، نہ خاندان اور قبیلہ کا بندہ، نہ مولوی صاحب اور پیر صاحب کا بندہ، نہ زمین دار صاحب اور تحصیلدار صاحب اور مجسٹریٹ صاحب کا بندہ، نہ خدا کے سوا کسی اور صاحب کا بندہ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قل یا ھل الکتب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا ار بابا من دو ن اللہ فان تو لو افقولو االشھدو بانا مسلمون (آل عمران: ۶۴)

''یعنی اے نبیؐ! اہل کتاب سے کہو کہ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر اتفاق کرلیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (یعنی جو تمہارے نبی بھی بتائے گئے ہیں، اور خدا کا نبی ہونے کی حیثیت سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں) وہ بات یہ ہیکہ ایک تو ہم اللہ کے سواء کسی کے بندے بن کر نہ رہیں ۔ دوسرے یہ کہ خدائی میں کسی کو شریک نہ کریں اور تیسری بات یہ ہیکہ ہم میں کوئی انسان کسی انسان کو اللہ کے بجائے اپنا مالک اور اپنا آقا بنائے ۔ یہ تین باتیں اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں یعنی ہم ان تینوں باتوں کو مانتے ہیں۔''

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات و الارض طوعا و کرھا و الیہ یرجعون (آل عمران: ۸۳)

''یعنی کیا وہ خدا کی اطاعت کے سواء کسی اور کی اطاعت چاہتے ہیں؟ حالانکہ خدا وہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز چار و نا چار اسی کی اطاعت کر رہی ہے اور سب کو اسی طرف پلٹنا ہے۔''

ان دونوں آیتوں میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے ۔ یعنی یہ کہ اصلی دین خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے ۔ خدا کی عبادت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بس پانچ وقت اس کے آگے سجدہ کرلو بلکہ اسکی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ رات دن میں ہر وقت اس کے احکام کی اطاعت کرو جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جاؤ جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرو ہر معاملہ میں یہ دیکھو کہ خدا کا حکم کیا ہے ۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا کہتا ہے، تمہاری عقل کیا کہتی ہے، باپ دادا کیا کر گئے ہیں، خاندان اور برادری کی مرضی کیا ہے، جناب مولوی صاحب قبلہ اور جناب پیر صاحب قبلہ کیا فرماتے ہیں اور فلاں صاحب کا کیا حکم ہے اور فلاں صاحب کی کیا مرضی ہے؟ اگر تم نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی کی بات بھی مانی، خدائی میں شریک کیا ۔ اس کو وہ درجہ جو صرف خدا کا درجہ ہے ۔ حکم دینے والا تو صرف خدا ہے ۔ ان الحکم الا اللہ ۔ بندگی کے لائق تو صرف وہ ہے ۔ جس نے تمہیں پیدا کیا اور جس کے بل بوتے پر تم زندہ ہو ۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز اسی کی اطاعت کر رہی ہے ۔ کوئی پتھر کسی پتھر کی اطاعت نہیں کرتا ۔ کوئی درخت کسی درخت کی اطاعت نہیں کرتا ۔ کوئی جانور کسی جانور کی اطاعت نہیں کرتا ۔ پھر کیا تم جانوروں اور درختوں اور پتھروں سے بھی گئے گذرے ہو گئے کہ وہ تو صرف خدا کی اطاعت کریں، اور تم خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی اطاعت کرو؟ یہ ہے وہ بات جو قرآن کی ان دونوں آیتوں میں بیان فرمائی گئی ہے ۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کفر اور گمراہی دراصل نکلتی کہاں سے ہے ۔ قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اس کم بخت بلا کے آنے کے تین راستے ہیں ۔ پہلا راستہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں:

ومن اضل ممن اتبع ھوہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین

(القصص : ۵۰)

یعنی "اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے خدا کی ہدایات کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا"۔

مطلب یہ کہ سب سے بڑھ کر انسان کو گمراہ کرنے والی چیز انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔ جو شخص خواہشات کا بندہ بن گیا، اسکے لئے خدا کا بندہ بننا ممکن نہیں۔ وہ تو ہر وقت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے، میری عزت اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے، مجھے لذت اور لطف کسی کام میں حاصل ہوتا ہے، مجھے آرام اور آسائش کس کام میں ملتی ہے۔ بس یہ چیزیں جس کام میں ہوں گی اسی کو وہ اختیار کرے گا چاہے، خدا اس سے منع کرے۔ اور یہ چیزیں جس کام میں نہ ہوں اسکو وہ ہرگز نہ کریگا چاہے خدا اسکا حکم دے۔ تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک تعالیٰ نہ ہوا، اسکا اپنا نفس ہی اسکا خدا ہو گیا۔ اسکو ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ اسی بات کو دوسری جگہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

ارأیت من اتخذ الٰھه ھو ہ افا نت تکون علیه و کیلا۔ ام تحسب ان اکثر ھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا (الفرقان : ۴۴)

"یعنی اے نبیؐ! تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا؟ کیا تم ایسے شخص کی نگرانی کر سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان کے بھی گئے گزرے"۔

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کوئی جانور آپکو ایسا نہ ملے گا جو خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہو۔ ہر جانور وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اسکے لئے مقرر کی ہے۔ اسی قدر کھاتا ہے جس قدر اسکے لئے مقرر کی ہے۔ اور جتنے کام جس جانور کیلئے مقرر ہیں بس اتنے ہی کرتا ہے مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب یہ اپنی خواہش کا بندہ بنتا ہے تو وہ وہ حرکتیں کر گزرتا ہے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

یہ تو گمراہی کے آنے کا پہلا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو رسم و رواج، جو عقیدے اور خیالات، جو رنگ ڈھنگ چلے آ رہے ہوں، آدمی انکا غلام بن جائے اور خدا کے حکم سے بڑھ کر انکو سمجھے اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کہے کہ میں تو وہی کروں گا جو میرے باپ دادا کرتے تھے اور جو میرے خاندان اور قبیلے کا رواج ہے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہے وہ خدا کا بندہ کب ہوا۔ اس کے خدا تو اس کے باپ دادا، اس کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ اس کو جھوٹا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ میں مسلمان ہوں؟ قرآن کریم میں اس پر بھی بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے:

واذا قیل لھم اتبعو ما انزل اللہ قالو ابل نتبع ما الفینا علیه آباء نا اولو کان اباء ھم لا یعقلون شیئا و لا یھتدون (البقرہ : ۱۷۰)

"اور جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ جو حکم خدا نے بھیجا ہے اسکی پیروی کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ

ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جو ہمیں باپ دادا سے ملی ہے۔ اگر انکے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں تو کیا یہ پھر بھی انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے"؟

دوسری جگہ فرمایا:

و اذا قیل لھم تعالو الی ما انزل اللہ و الی الرسول قالو احسبنا ما وجد نا علیہ آبآء نا اولو کان اباء ھم لا یعلمون شیئا و لا یھتدون۔ یا ایھاالذین آمنو علیکم انفسکم لا یضر کم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مر جعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم تعلمون۔ (المائدہ : ۱۰۵۔۱۰۴)

"اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس فرمان کی طرف جو خدا نے بھیجا ہے اور آؤ رسول کے طریقہ کی طرف، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے چاہے ان کو کسی بات کا علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستہ پر نہ ہوں؟ اے ایمان لانے والو! تم کو تو اپنی فکر ہونی چاہئے۔ اگر تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا، پھر آخر کار سب کو خدا کی طرف واپس جانا ہے۔ اس وقت خدا تم کو تمہارے اعمال کا نیک و بد سب کچھ بتا دے گا"۔

یہ ایسی گمراہی ہے جس میں تقریباً ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں، اور ہمیشہ خدا کے رسولوں کی ہدایت کو ماننے سے یہی چیز انسان کو روکتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جب لوگوں کو خدا کی شریعت کی طرف بلایا تھا، اس وقت بھی لوگوں نے یہی کہا تھا۔

اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ اباء نا۔ (یونس : ۷۸)

"کیا تو ہمیں اس راستہ سے ہٹانا چاہتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"؟

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے قبیلے والوں کو شرک سے روکا تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا:

وجدنااباء نا لھا عابدین (الانبیاء: ۵۳)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے پایا ہے"۔

غرض اسی طرح ہر نبیؑ کے مقابلے میں لوگوں نے یہی حُجت پیش کی ہیکہ تم جو کہتے ہو یہ ہمارے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف ہے اس لئے ہم اسے نہیں مانتے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

وکذالک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الاقال متر فوھا انا وجد نا اباآء ناعلی امۃ و انا علی اثارھم مقتدون۔ قال اولو جئتکم باھدا مما وجدتم علیہ اباآء کم قالوا انا بما ارسلتم بہ کافرون۔ فانتقمنامنھم فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ (الزخرف : ۲۵۔۲۳)

''یعنی ایسا ہی ہوتا رہاہیکہ جب کبھی ہم نے کسی بستی میں کسی ڈرانے والے یعنی پیغمبر کو بھیجا تو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اورہم انہی کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ پیغمبر نے ان سے کہا اگر میں اس سے بہتر بات بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو کیا پھر بھی تم باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے جو تم لے کر آئے ہو پس جب انہوں نے یہ جواب دیا تو ہم نہ بھی ان کو خوب سزاء دی اور اب دیکھ لو کہ ہمارے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے''۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالی تو فرماتا ہیکہ یا تو باپ دادا ہی کی پیروی کرلو یا پھر ہمارے ہی حکم کی پیروی کرو۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہوسکتیں۔ مسلمان ہونا چاہتے ہو تو سب کو چھوڑ کر صرف اس بات کو مانو جو ہم نے بتائی ہے:

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالو بل نتبع ما وجد نا علیہ اباء نا اولو کان الشیطن یدعو ھم الی عذاب السعیر۔ و من یسلم وجھہ الی اللہ و ھو محسن فقد استمسک بالعرو ۃ الوثقی و الی اللہ عاقبۃ الامور۔ و من کفر فلا یحزنک کفر ہ الینا مرجعھم فننبھم بما عملو۔ (لقمان : ۲۳۔۲۱)

یعنی ''جب ان سے کہا گیا کہ اس حکم پیروی کرو جو خدا نے بھیجا ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، چاہے شیطان ان کو عذاب جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلا رہا ہو۔ جو کوئی اپنے آپکو بالکل خدا کے سپرد کردے اور نیکو کار ہو اس نے تو مضبوط رسی تھام لی اور آخر کار تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں اور جس نے اس سے انکار کیا تو اے نبیؐ تم کو اس کے انکار سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب ہماری طرف واپس آنے والے ہیں پھر ہم انہیں انکے اعمال کا نتیجہ دکھادیں گے''۔

یہ گمراہی کے آنے کا دوسرا راستہ تھا۔ تیسرا راستہ قرآن نے یہ بتایا ہیکہ انسان جب خدا کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہیکہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے، اسکی بات پکی ہوگی، یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روٹی ہے اس لئے اس کی بات ماننی چاہئے، یا فلاں شخص بڑا صاحب اقتدار ہے اس لئے اس کی فرماں برداری کرنی چاہئے، یا فلاں صاحب اپنی بد دعا سے مجھے تباہ کردیں گے یا اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اس لئے جو وہ کہیں وہی صحیح ہے، یا فلاں قوم بڑی ترقی کر رہی ہے، اس کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں، تو ایسے شخص پر خدا کی ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے:

وان تطع اکثر من فی الارض یضلو ک عن سبیل اللہ۔ (الانعام : ۱۱۶)

''اگر تو نے ان بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گے''۔

یعنی آدمی سیدھے راستہ پر اس وقت ہوسکتا ہے جب اسکا ایک خدا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں خدا جس نے بنالئے ہوں، اور جو کبھی اس خدا کے کہے پر اور کبھی اس خدا کے کہے پر چلتا ہو، وہ راستہ کہاں پا سکتا ہے؟

اب آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ گمراہی کے تین بڑے بڑے سبب ہیں:

- ایک نفس کی بندگی۔
- دوسرے باپ دادا اور خاندان اور قبیلے کے رواجوں کی بندگی۔
- تیسرے، عام طور پر دنیا کے لوگوں کی بندگی جن میں دولت مند لوگ اور حکام وقت اور بناوٹی پیشوا، اور گمراہ قومیں سب ہی شامل ہیں۔

یہ تین بڑے بڑے بُت ہیں جو خدائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اسکو سب سے پہلے ان تینوں بتوں کو توڑنا چاہیئے۔ پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہو جائے گا۔ ورنہ جس نے یہ تینوں بت اپنے دل میں بٹھا رکھے ہوں اسکا بندہ خدا ہونا مشکل ہے۔ وہ دن میں پچاس وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھاوے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو دھوکا دے سکتا ہے خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دے سکتا ہیکہ میں پکا مسلمان ہوں مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

بھائیو! آج میں نے آپکے سامنے جن تین بتوں کا ذکر کیا ہے انکی بندگی اصلی شرک ہے آپ نے پتھر کے بت توڑ دیئے، اینٹ اور چونے سے بنے ہوئے بت خانے توڑ دیئے مگر سینوں میں جو بت خانے بنے ہوئے ہیں انکی طرف کم توجہ کی۔ سب سے زیادہ ضروری، بلکہ مسلمان ہونے کیلیئے اولین شرط ان بتوں کو توڑنا ہے اگر چہ میرا مطلب تمام مسلمانوں سے ہے، اور مجھے یقین ہیکہ ساری دنیا اور تمام ہندوستان میں مسلمان جس قدر نقصان اٹھا رہے ہیں وہ انہی تین بتوں کی پوجا کا نتیجہ ہے۔ مگر چونکہ اس وقت میرے سامنے پنجابی بھائی ہیں، اس لئے خاص طور پر ان سے کہتا ہوں کہ آپکی تباہی اور آپکی ذلت اور مصیبت کی جڑ یہ تین چیزیں ہیں جو آپ نے ابھی مجھ سے سنی ہیں۔ آپ اس پنجاب کی سرزمین میں ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ اس صوبہ کی آبادی میں آدھے سے زیادہ آپ ہیں اور آدھے سے کم میں دوسری قومیں ہیں۔ مگر اتنی بڑی قوم ہونے کے باوجود یہاں آپکا کوئی وزن نہیں۔ (خیال رہے کہ اس وقت مشرقی اور مغربی پنجاب ایک تھے اور ہندوستان میں شامل تھے)۔ بعض نہایت قلیل التعداد قوموں کا وزن آپ سے بڑھ کر ہے۔ اسکی وجہ پر بھی آپ نے کبھی غور کیا؟ اسکی وجہ صرف یہ ہیکہ نفس کی بندگی، خاندانی رواجوں کی بندگی اور خدا کے سوا دوسرے انسانوں کی بندگی نے آپکی طاقت کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔

آپ میں راجپوت ہیں، گکھڑ ہیں، مغل ہیں، جاٹ ہیں اور بہت سی قومیں ہیں۔ اسلام نے ان سب قوموں کو ایک قوم، ایک دوسرے کا بھائی ایک پختہ دیوار بننے کیلیئے کہا تھا جس کی اینٹ سے اینٹ جڑی ہوئی ہو۔ مگر آپ

اب بھی وہی پرانے جاہلی خیالات لئے ہوئے بیٹھے ہیں جس طرح ہندوؤں میں الگ الگ گوتریں ہیں اسی طرح آپ میں بھی اب تک قبیلے قبیلے الگ ہیں۔ آپس میں مسلمانوں کی طرح شادی بیاہ نہیں ایک دوسرے سے برادری اور بھائی چارہ نہیں۔ زبان سے آپ ایک دوسرے کو مسلمان بھائی کہتے ہیں مگر حقیقت میں آپکے درمیان وہی سب امتیازات ہیں جو اسلام سے پہلے تھے۔ ان امتیازات نے آپکو ایک مضبوط دیوار نہیں بننے دیا۔ آپکی ایک ایک اینٹ الگ ہے۔ آپ نہ مل کر اٹھ سکتے ہیں اور نہ مل کر کسی مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق آپ سے کہا جائے کہ توڑو ان امتیازات کو، اور آپس میں پھر ایک ہو جاؤ تو آپ کیا کہیں گے؟ بس وہی ایک بات، یعنی ہمارے باپ دادا سے جو رواج چلے آرہے ہیں ان کو ہم نہیں توڑ سکتے۔ اسکا جواب خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے۔ بس یہی کہ تم نہ توڑو ان رواجوں کو، نہ چھوڑو جاہلانہ رسموں کی تقلید کو، ہم بھی تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور تمہاری کثرت تعداد کے باوجود تم کو ذلیل وخوار کر کے دکھائیں گے۔

اللہ نے آپکو حکم دیا تھا تمہاری وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ آپ اسکا جواب کیا دیتے ہیں؟ یہ کہ ہمارے باپ دادا کے قانون میں لڑکے اور لڑکیاں شریک نہیں ہیں اور یہ کہ ہم خدا کے قانون کے بجائے باپ دادا کا قانون مانتے ہیں۔ خدارا مجھے بتائیے کیا اسلام اسی کا نام ہے؟ آپ سے کہا جاتا ہے کہ اس خاندانی قانون کو توڑیئے، آپ میں سے ہر شخص کہتا ہیکہ جب سب توڑیں گے تو میں بھی توڑوں گا ورنہ اگر دوسروں نے لڑکی کو حصہ نہ دیا اور میں نے دے دیا تو میرے گھر کی دولت تو دوسروں کے پاس چلی جائے گی، مگر دوسرے کے گھر کی دولت میرے گھر میں نہ آئے گی۔ غور کیجئے کہ اس جواب کے کیا معنی ہیں؟ کیا خدا کے قانون کی اطاعت اسی شرط سے کی جائے گی کہ دوسرے اطاعت کریں تو آپ بھی کریں گے؟ کل آپ کہیں گے کہ دوسرے زنا کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ دوسرے چوری کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ غرض دوسرے جب تک سب گناہ نہ چھوڑیں گے، میں بھی اس وقت تک سب گناہ کرتا رہوں گا۔ بات یہ ہیکہ اس معاملہ میں تینوں بتوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ نفس کی بندگی بھی ہے، باپ دادا کی بندگی بھی اور مشرک قوموں کی بندگی بھی۔ اور تینوں کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہے۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ ورنہ آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو بے شمار اسی قسم کے امراض آپکے اندر پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور ان سب میں آپ یہی دیکھیں گے کہ کہیں ایک بت کی پرستش ہے اور کہیں دو بتوں کی، اور کہیں تینوں بتوں کی۔ جب یہ بت پوجے جارہے ہوں، اور انکے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہو تو آپ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ آپ پر ان رحمتوں کی بارش ہو گی جن کا وعدہ سچے مسلمانوں سے کیا گیا ہے؟

ایمان کی کسوٹی

برادرانِ اسلام! پچھلے جمعہ کے خطبہ میں میں نے آپکو بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے انسان کی گمراہی کے تین سبب ہیں۔ایک یہ کہ وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جائے۔ دوسرے یہ کہ خدائی قانون کے مقابلہ میں اپنے خاندان کے رسم و رواج اور باپ دادا کے طریقے کو ترجیح دے۔تیسرے یہ کہ خدا اور اسکے رسول نے جو طریقہ بتایا ہے اسکو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کی پیروی کرنے لگے، چاہے وہ انسان خود اس کی اپنی قوم کے بڑے لوگ ہوں یا غیر قوموں کے لوگ۔

مسلمان کی اصلی تعریف یہ ہیکہ وہ ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو۔مسلمان کہتے ہی اسکو ہیں جو خدا کے سواء کسی کا بندہ اور رسول کے سواء کسی کا پیرو نہ ہو۔مسلمان وہ ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اسکے رسول کی تعلیم سراسر حق ہے، اسکے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے اور انسان کیلئے دین و دنیا کی بھلائی جو کچھ بھی ہے صرف خدا اور اس کے رسول کی تعلیم میں ہے۔اس بات پر کامل یقین جس شخص کو ہو گا وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف یہ دیکھے گا کہ اللہ اور اسکے رسول کا کیا حکم ہے۔اور جب اسے حکم معلوم ہو جائے گا تو سیدھی طرح سے اسکے آگے سر جھکا دے گا۔پھر چاہے اسکا دل کتنا ہی تلملائے اور خاندان کے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں، اور دنیا والے کتنا ہی مخالفت کریں وہ ان میں سے کسی کی پرواہ نہ کرے گا، کیونکہ ہر ایک کو اسکا صاف جواب یہی ہو گا کہ میں خدا کا بندہ ہوں، تمہارا بندہ نہیں ہوں اور میں رسولؐ پر ایمان لایا ہوں، تم پر ایمان نہیں لایا ہوں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ کہتا ہیکہ خدا اور رسول کا ارشاد یہ ہے تو ہوا کرے، میرا دل تو اسکو نہیں مانتا، مجھے تو اس میں نقصان نظر آتا ہے، اس لئے میں خدا اور رسول کی بات چھوڑ کر اپنی رائے پر چلوں گا، تو ایسے شخص کا دل ایمان سے خالی ہو گا وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہیکہ زبان سے تو کہتا ہیکہ میں خدا کا بندہ اور رسول کا پیرو ہوں، مگر حقیقت میں اپنے نفس کا بندہ اور اپنی رائے کا پیرو بنا ہوا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہیکہ خدا اور رسول کا حکم کچھ بھی ہو، مگر فلاں بات تو باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے، اسکو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے، یا فلاں قاعدہ تو میرے خاندان یا برادری میں مقرر ہے، اسے کیوں کر توڑا جا سکتا ہے تو ایسے شخص کا شمار بھی منافقوں میں ہو گا، خواہ نمازیں پڑھتے پڑھتے اس کی پیشانی پر کتنا ہی بڑا گٹھا پڑ گیا ہو اور ظاہر میں اس نے کتنی ہی متشرع صورت بنا رکھی ہو۔اسلئے کہ دین کی اصل حقیقت اس کے دل میں اتری ہی نہیں۔دین رکوع اور سجدے اور روزے اور حج کا نام نہیں ہے، اور نہ دین انسان کی صورت اور اسکے لباس میں ہوتا ہے، بلکہ اصل میں دین نام ہے خدا اور رسول کی اطاعت کا۔جو شخص اپنے معاملات میں خدا اور رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اسکا دل حقیقت میں دین سے خالی ہے، اس کی نماز اور اسکا روزہ اور اس کی متشرع صورت ایک دھوکے کے سواء کچھ نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی کتاب اور اسکے رسول کی ہدایت سے بے پرواہ ہو کر کہتا ہے فلاں بات اس لئے اختیار کی جائے کہ وہ انگریزوں میں رائج ہے، اور فلاں بات اس لئے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اس کی وجہ سے ترقی کر رہی ہے، اور فلاں بات اسلئے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اس بات کو اٹھا کر دیوار پر دے مارو جو خدا اور رسول ؐ کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام کا دعویٰ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم خدا اور رسول کو مانتے ہیں، مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کا بات کے مقابلہ میں خدا اور رسول کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے نہ اسلام، بلکہ اسکا نام منافقت ہے۔

قرآن مجید کے اٹھارویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں فرما دیا ہے:

لقد انزلنا آیت مبینت و اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم. و یقولون امنا باللہ و بالرسول و اطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذالک و ما اولئک بالمومنین. و اذا دعو الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون. و ان یکن لھم الحق یآ تو الیہ مذعنین. افی قلوبھم مرض ام ارتابو ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم و رسولہ بل اولئک ھم الظلمون. انما کان قول المومنین اذادعو الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ان یقولو اسمعنا و اطعنا و اولئک ھم المفلحون. و من یطع اللہ و رسولہ و یخش اللہ و یتقہ فاولئک ھم الفائزون. (النور ۔ ۵۲ ۔ ۴۶)

"یعنی ہم نے کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی آیتیں اتاردی ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے ذریعہ سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ اطاعت سے منہ موڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ ایماندار نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ رسول ان کے معاملات میں فیصلہ کرے، تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ جاتے ہیں، البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو اسے مان لیتے ہیں، کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے؟ یا کیا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا؟ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ حقیقت میں جو ایماندار ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہیکہ جب انہیں اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ رسول ان کے معاملات کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرتا رہے گا، اور اسکی نافرمانی سے پرہیز کرے گا، بس وہی کامیاب ہوگا"۔

ان آیات میں ایمان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس پر غور کیجئے اصلی ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی

کتاب اوراس کے رسول کی ہدایت کے سپرد کردو۔ جو حکم وہاں سے ملے اس کے آگے سر جھکادو، اوراس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنو، نہ اپنے دل کی، نہ خاندان والوں کی اور دنیا والوں کی، یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے وہی مومن اور مسلم ہے اور جو اس سے خالی ہو اس کی حیثیت منافق سے زیادہ نہیں ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا۔ عورت اور مرد اور جوان اور بوڑھے شراب کے متوالے تھے۔ انکو دراصل اس چیز سے عشق تھا۔ اسکی تعریفوں کے گیت گاتے تھے اور اس پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی آپکو معلوم ہوگا کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اسکا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کرلیتا ہے مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کرسکتا۔ اگر شرابی کو شراب نہ ملے تو اسکی کیفیت بیمار سے بدتر ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی سنا ہیکہ جب قرآن شریف میں اسکی حرمت کا حکم آیا تو کیا ہوا؟ وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے اس حکم کو سنتے ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینے کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جس وقت انہوں نے رسول اللہؐ کے منادی کی آواز سنی کہ شراب حرام کردی گئی تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا۔ جسکے منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا، اس نے فوراً اسکو ہٹالیا، اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا۔ یہ ہے ایمان کی شان۔ اسکو کہتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت۔

آپکو معلوم ہیکہ اسلام میں زناء کی سزا کتنی سخت رکھی گئی ہے؟ ننگی پیٹھ پر سو کوڑے، جنکا خیال کرنے سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اگر شادی شدہ آدمی ہو تو اسکے لئے سنگساری کی سزا ہے یعنی اسکو پتھروں سے اتنا مارنا کہ وہ مرجائے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سن کر آدمی کانپ اٹھتا ہے۔ مگر آپ نے یہ بھی سنا کہ جنکے دل میں ایمان تھا انکی کیا کیفیت تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ کوئی گواہ نہ تھا، کوئی عدالت تک پکڑ کرلے جانے والا نہ تھا، کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا۔ صرف دل میں ایمان تھا جس نے اس شخص سے کہا کہ جب تو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پوری کی ہے تو اب جو سزا خدا نے اسکے لئے مقرر کی ہے اسکو بھگتنے کیلئے تیار ہو جا۔ چنانچہ وہ شخص خود رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہیکہ یا رسول اللہ! میں نے زناء کی ہے، مجھے سزا دیجئے۔ آپؐ منہ پھیر لیتے ہیں تو پھر دوسری طرف آکر یہی بات کہتا ہے۔ آپؐ پھر منہ پھیر لیتے ہیں تو وہ پھر سامنے آکر سزاء کی درخواست کرتا ہے جو گناہ میں نے کیا ہے اس کی سزاء مجھے دی جائے۔ یہ ہے ایمان ۔۔۔۔۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے، اسکے لئے ننگی پیٹھ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار کردیا جانا آسان ہے، مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مشکل۔

آپکو یہ بھی معلوم ہیکہ انسان کیلئے دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً باپ، بھائی، بیٹے تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سے سب کچھ قربان کردینا آدمی گوارا کرلیتا ہے، اگر آپ ذرا بدر اور احد کی لڑائیوں پر غور کیجئے کہ ان میں کون کس کے خلاف لڑنے گیا تھا؟ باپ مسلمانوں کی فوج میں ہے تو بیٹا

کافروں کی فوج میں۔ یا بیٹا اس طرف ہے تو باپ اس طرف۔ ایک بھائی ادھر ہے تو دوسرا بھائی ادھر۔ قریب قریب رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے ہیں اور اس طرح لڑے ہیں کہ گویا ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور یہ جوش ان میں کچھ روپیہ پیسے یا زمین کیلئے نہیں بھڑکا تھا نہ کوئی ذاتی عداوت تھی، بلکہ صرف اس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پوست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسول پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

آپکو یہ بھی معلوم ہیکہ عرب میں جتنے پرانے مراسم و رواج تھے، اسلام نے قریب قریب ان سب ہی کو توڑ ڈالا تھا۔ سب سے بڑی چیز تو بت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں برس سے چلا آرہا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان بتوں کو چھوڑ دو۔ شرب، زنا، جوا، چوری اور رہزنی عرب میں عام طور پر رائج تھی۔ اسلام نے کہا کہ ان سب کو ترک کر دو۔ عورتیں عرب میں کھلی پھرتی تھیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کرو۔ عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان کا بھی وراثت میں حصہ ہے۔ متبنیٰ کو وہی حیثیت دی جاتی تھی جو صلبی اولاد کی ہوتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ وہ صلبی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ متبنیٰ، اگر بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ غرض کون سی پرانی رسم ایسی تھی جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو۔ مگر آپکو معلوم ہیکہ جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے تھے انکا کیا طرز عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور انکے باپ دادا سجدہ کرتے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے، انکو ان ایمانداروں نے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ سینکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں ان سب کو انہوں نے مٹا کر رکھ دیا۔ جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے خدا کا حکم پا کر انہیں پاؤں تلے روند ڈالا۔ جس چیزوں کو وہ مکرو سمجھتے تھے خدا کا حکم آتے ہی انکو جائز سمجھنے لگے۔ جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں وہ یکایک ناپاک ہو گئیں۔ اور جو صدیوں سے ناپاک سمجھی جاتی تھیں یکایک پاک ہو گئیں۔ کفر کے جن طریقوں میں لذت اور فائدے کے سامان تھے، خدا کا حکم پاتے ہی ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گذرتی ہے ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا۔ اسکا نام ہے ایمان اور اسکو کہتے ہیں اسلام۔ اگر عرب کے لوگ اس وقت کہتے کہ فلاں بات ہم اسلئے نہیں مانتے کہ ہمارا نقصان ہے، اور فلاں بات کو ہم اسلئے نہیں چھوڑتے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے، اور فلاں کام کو تو ہم ضرور کریں گے کیوں کہ باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے، اور فلاں باتیں رومیوں کی ہمیں پسند ہیں اور فلاں ایرانیوں کی ہم کو مرغوب ہیں، غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح اسلام کی ایک ایک بات کو رد کر دیتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آج دنیا میں کوئی مسلمان نہ ہوتا۔

بھائیو! قرآن میں ارشاد ہوا کہ لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ یعنی نیکی کا مرتبہ تم کو نہیں مل سکتا جب تک کہ تم وہ سب چیزیں خدا کیلئے قربان نہ کر دو جو تم کو عزیز ہیں، بس یہی آیت اسلام اور ایمان کی جان ہیں۔ اسلام کی اصل شان یہی ہیکہ جو چیزیں تم کو عزیز ہیں، انکو خدا کی خاطر قربان کر دو۔ زندگی کے سارے معاملات میں تم دیکھتے ہو کہ خدا کا حکم ایک طرف بلاتا ہے اور نفس کی خواہشات دوسری طرف بلاتی ہیں۔ خدا ایک کام کا حکم دیتا

ہے نفس کہتا ہیکہ اس میں تو تکلیف ہے یا نقصان۔ خدا ایک بات سے منع کرتا ہے نفس کہتا ہے یہ تو بڑی مزیدار چیز ہے یا بڑے فائدے کی چیز ہے۔ ایک طرف خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا کی دنیا کھڑی ہوتی ہے۔ غرض زندگی میں ہر قدم پر انسان کو دو راستہ ملتے ہیں۔ ایک راستہ اسلام کا ہے اور دوسرا کفر و نفاق کا۔ جس نے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اس نے اسلام کا راستہ اختیار کیا اور جس نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر اپنے دل کی دنیا کی خوشی پوری کی، اس نے کفر یا نفاق کا راستہ اختیار کیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہیکہ اسلام کی جو بات آسان ہے اسے تو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے وہیں سے رخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعی اسلام لوگوں میں یہ بھی کمزوری موجود ہے وہ اسلام، اسلام بہت پکاریں گے اسکی تعریف کرتے کرتے انکی زبان خشک ہو جائے گی، اسکے لئے کچھ نمائشی کام کردیں گے، مگر ان سے کہئے کہ یہ اسلام جسکی آپ اس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں، آیئے ذرا اسکے قانون کو ہم آپ خود اپنے اوپر جاری کریں تو فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دقت ہے اور فی الحال تو اسکو بس رہنے ہی دیجئے۔ مطلب یہ ہیکہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے، اسکو بس طاق پر رکھئے اور دور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کئے جایئے، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجئے۔ یہ ہمارے آج کل کے دیداروں کا حال ہے۔ اب دنیا داروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہیکہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لئے جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائے گا؟

اسلام کا اصلی معیار

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں فرماتا ہے:

قل ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی لله رب العلمین لاشریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین. (الانعام : ۱۶۲. ۱۶۳)

"(اے محمدؐ!) کہو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت اور میرا جینا اور میرا مناسب کچھ اللہ کیلئے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے، اسکا کوئی شریک نہیں اور کسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتا ہوں"۔

اس آیت کی تشریح نبی کریمؐ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

من احب لله وابغض لله واعطی لله ومنع لله فقد استکمل الایمان.

جس نے کسی سے دوستی ومحبت کی تو خدا کیلئے، اور دشمنی کی تو خدا کیلئے، اور کسی کو دیا تو خدا کیلئے،
اور کسی سے روکا تو خدا کیلئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا، یعنی وہ پورا مومن ہوگیا۔

پہلے جو آیت میں نے آپکے سامنے پیش کی ہے اس معلوم ہوتا ہیکہ اسلام کا تقاضہ یہ ہیکہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے اور مرنے کو صرف اللہ کیلئے خالص کرلے اور اللہ کے سواء کسی کو اس میں شریک نہ کرے۔ یعنی اسکی بندگی اللہ کے سوا کسی اور کیلئے ہو اور نہ اسکا جینا اور مرنا۔

اسکی جو تشریح نبی کریمؐ کی زبان سے میں نے آپکو سنائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہیکہ آدمی کی محبت اور دشمنی، اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اسکا لین دین خالصتاً خدا کیلئے ہونا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اسکے بغیر ایمان ہی کی تکمیل نہیں ہوئی کجا کہ مراتب عالیہ کا دروازہ کھل سکے۔ جتنی کمی اس معاملہ میں ہوگی اتنا نقص آدمی کے ایمان میں ہوگا اور جب اس حیثیت سے آدمی مکمل طور پر خدا کا ہو جائے تب کہیں اسکا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی چیزیں صرف مراتب عالیہ کا دروازہ کھولتی ہیں ورنہ ایمان و اسلام کیلئے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا شرط نہیں ہے، یعنی بہ الفاظ دیگر اس کیفیت کے بغیر بھی انسان مومن و مسلم ہوسکتا ہے مگر یہ ایک غلط فہمی ہے کہ پیدا ہونے کی وجہ یہ ہیکہ عام طور پر لوگ فقہی اور قانونی اسلام اور اس حقیقی اسلام میں جو خدا کے ہاں معتبر ہے فرق نہیں کرتے۔

فقہی اور قانونی اسلام میں آدمی کے قلب کا حال نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی دیکھا جاسکتا، بلکہ صرف اسکے اقرار زبانی کو اور اس امر کو دیکھا جاتا ہیکہ وہ اپنے اندر ان لازمی علامات کو نمایاں کرتا ہے یا نہیں جو اقرار زبانی کی توثیق کیلئے ضروری ہیں۔ اگر کسی شخص نے زبان سے اللہ اور رسول اور قرآن اور آخرت اور دوسرے ایمانیات کو ماننے کا اقرار کرلیا اور اسکے بعد وہ ضروری شرائط بھی پوری کردیں جن سے اسکے ماننے کا ثبوت ملتا ہے تو وہ دائرہ اسلام میں لے لیا جائے گا اور سارے معاملات اسکے ساتھ مسلمان سمجھ کر کئے جائیں گے۔ لیکن یہ چیز صرف دنیا کیلئے ہے اور دنیوی حیثیت سے وہ قانونی اور تمدنی بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر مسلم سوسائٹی کی تعمیر کی گئی ہے۔ اسکا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں جو ایسے اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مسلم سوسائٹی میں داخل ہوں وہ سب مسلمان مانے جائیں، ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، انکو ایک دوسرے پر شرعی اور قانونی اور اخلاقی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں، انکے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوں، میراث ہو اور دوسرے تمدنی روابط وجود میں آئیں۔

لیکن آخرت میں انسان کی نجات اور اسکا مسلم و مومن قرار دیا جانا اور اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اس قانونی اقرار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کا قلبی اقرار اسکے دل کے جھکاؤ اور اسکا بہ رضا و رغبت اپنے آپکو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دینا ہے۔ دنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضی شرع کیلئے اور عام انسانوں اور مسلمانوں کیلئے ہے کیونکہ وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اللہ آدمی کے دل کو اور اسکے باطن کو دیکھتا ہے اور

اسکے ایمان کو ناپتا ہے۔ اسکے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جائے گا، وہ یہ ہیکہ آیا اسکا جینا اور مرنا اور اسکی وفاداریاں اور اسکی اطاعت و بندگی اور اسکا پورا کارنامہ زندگی اللہ کیلئے تھا یا کسی اور کیلئے؟ اگر اللہ کیلئے تھا تو وہ مسلم اور مومن قرار پائے گا اور اگر کسی اور کیلئے تھا تو نہ وہ مسلم ہوگا نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا خام نکلے گا اتنا ہی اسکا ایمان اور اسلام خام ہوگا، خواہ دنیا میں اسکا شمار کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں ہوتا رہا ہو اسکو کتنے ہی بڑے مراتب دیئے گئے ہوں، اللہ کے ہاں قدر صرف اس چیز کی ہیکہ جو کچھ اس نے آپکو دیا ہے وہ سب کچھ آپ نے اس کی راہ میں لگا دیا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپکو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو اور حق بندگی ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اگر آپ نے کسی چیز کو خدا کی بندگی سے مستثنیٰ کر کے رکھا تو آپکا یہ اقرار کہ آپ مسلم ہوئے، یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپکو بالکل خدا کے حوالے کر دیا، محض ایک جھوٹ اقرار ہوگا جسے سے دنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مسلم سوسائٹی آپکو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس نے دنیا میں آپکو مسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے ہیں، لیکن اس سے فریب کھا کر خدا اپنے ہاں آپکو وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

یہ قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق جو میں نے آپکے سامنے بیان کیا ہے، اگر آپ اس پر غور کریں تو آپکو معلوم ہوگا کہ اسکے نتائج صرف آخرت ہی میں مختلف نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی بڑی حد تک مختلف ہیں۔ دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کو دو قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے:

ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسول کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کل زندگی کا محض ایک جز اور شعبہ ہی بنا کر رکھیں۔ اس مخصوص جز اور شعبہ میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو، عبادت گذاریاں ہوں، تسبیح و مصلی ہو، خدا کا ذکر ہو، کھانے پینے اور بعض معاشرتی معاملات میں پرہیز گاریاں ہوں اور وہ سب کچھ ہو جسے مذہبی طرز عمل کہا جاتا ہے، مگر اس شعبہ کے سواء انکی زندگی کے دوسرے تمام پہلو اُنکے مسلم ہونے کی حیثیت سے مستثنیٰ ہوں۔ وہ محبت کریں تو اپنے نفس یا اپنے مفاد یا اپنے ملک وقوم یا کسی اور خاطر کریں۔ وہ دشمنی کریں اور کسی سے جنگ کریں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دنیاوی یا نفسیاتی تعلق کی بناء پر کریں۔ انکے کاروبار، انکے لین دین، انکے معاملات اور تعلقات، اور انکا اپنے بال بچوں اپنے خاندان، اپنی سوسائٹی اور اپنے اہل معاملہ کے ساتھ برتاؤ سب کا سب ایک بڑی حد تک دین سے آزاد اور دنیاوی حیثیتوں پر مبنی ہو۔ ایک زمیندار کی حیثیت سے، ایک تاجر کی حیثیت سے، ایک حکمرانکی حیثیت سے، ایک سپاہی کی حیثیت سے، ایک پیشہ ور کی حیثیت سے انکی اپنی ایک مستقل حیثیت ہو جس کا انکے مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ پھر اس قسم کے لوگ مل کر اجتماعی طور پر جو تمدنی، تعلیمی اور سیاسی ادارے قائم کریں وہ بھی انکے مسلمان ہونے کی حیثیت سے خواہ جزئی طور پر متاثر یا منسوب ہوں لیکن فی الواقع انکو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔

دوسرے قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح

دے دیں۔ انکی ساری حیثیتیں انکے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں۔ وہ باپ ہوں تو مسلمانکی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، تاجر، زمیندار، مزدور، ملازم یا پیشہ ور ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے۔ انکے جذبات، انکی خواہشات، انکے نظریات، انکے خیالات اور انکی رائے، انکی نفرت اور رغبت انکی پسند اور ناپسند سب کچھ اسلام کے تابع ہو، انکے دل و دماغ پر، انکی آنکھوں اور کانوں پر، انکے پیٹ اور شرمگاہوں پر انکے ہاتھ پاؤں اور انکے جسم و جان پر اسلام کا مکمل قبضہ ہو۔ نہ انکی محبت اسلام سے آزاد ہو نہ دشمنی۔ جس سے ملیں تو اسلام کیلئے ملیں اور جس سے لڑیں تو اسلام کیلئے لڑیں، کسی کو دیں تو اسلئے دیں کہ اسلام کا تقاضہ یہی ہیکہ اسے دیا جائے اور کسی سے روکیں تو اسلئے روکیں کہ اسلام یہی کہتا ہیکہ اس سے روکا جائے۔ اور انکا یہ طرز عمل صرف انفرادی حد تک ہی نہ ہو بلکہ انکی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام کی بنیاد ہی پر قائم ہو۔ بحیثیت ایک جماعت کے انکی ہستی صرف اسلام کیلئے قائم ہو اور انکا سارا اجتماعی برتاؤ اسلام کے اصولوں ہی پر مبنی ہوں۔

یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چاہے قانونی حیثیت سے دونوں ایک ہی امت میں شامل ہوں اور دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہوتا ہو۔ پہلی قسم کے مسلمانوں کا کوئی کارنامہ تاریخ اسلام میں قابل ذکر یا قابل فخر نہیں ہے۔ انہوں نے فی الحقیقت کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس نے تاریخ عالم پر کوئی اسلامی نقش چھوڑا ہو۔ زمین نے ایسے مسلمانوں کا بوجھ کبھی محسوس نہیں کیا۔ اسلام کو اگر تنزل نصیب ہوا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی بدولت ہوا ہے ایسے ہی مسلمانوں کی کثرت مسلم سوسائٹی میں ہو جانے کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہوا دنیا کے نظام زندگی کی باگیں کفر کے قبضہ میں چلی گئیں اور مسلمان اسکے ماتحت رہ کر صرف ایک محدود مذہبی زندگی کی آزادی پر قانع ہو گئے۔ خدا کو ایسے مسلمان ہرگز مطلوب نہ تھے۔ اس نے اپنے انبیاء کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا تھا، نہ اپنی کتابیں اس لئے نازل کیں تھی کہ صرف اس طرز کے مسلمان دنیا میں بنا ڈالے جائیں۔ دنیا میں ایسے مسلمانوں کے نہ ہونے سے کسی حقیقی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کمی نہ تھی جسے پورا کرنے کیلئے سلسلہ وحی و نبوت کو جاری کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ درحقیقت جو مسلمان خدا کو مطلوب ہیں جنہیں تیار کرنے کیلئے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کی تنزیل ہوئی ہے اور جنہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے کبھی کوئی قابل قدر کام کیا ہے یا آج کر سکتے ہیں، وہ صرف دوسری ہی قسم کے مسلمان ہیں۔

یہ چیز کچھ اسلام ہی کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں کسی مسلک کا جھنڈا بھی ایسے پیروؤں کے ہاتھوں کبھی بلند نہیں ہوا ہے جنہوں نے اپنے مسلک کے اقرار اور اسکے اصولوں کی پابندی کو اپنی کل زندگی کے ساتھ صرف ضمیمہ بنا کر رکھا ہو اور جنکا جینا اور مرنا اپنے مسلک کے سوا کسی اور چیز کیلئے ہو۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مسلک کے حقیقی اور سچے پیرو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل و جان سے اسکے وفادار ہیں، جنہوں نے اپنی پوری شخصیت کو اس میں گم کر دیا ہے اور جو اپنی کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنی جان اور اپنی اولاد تک کو اسکے مقابلے میں عزیز تر نہیں رکھتے۔ دنیا کا ہر مسلک ایسے ہی پیرو مانگتا ہے اور اگر کسی مسلک کو غلبہ نصیب ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایسے ہی پیروؤں کی بدولت ہو سکتا ہے۔

البتہ اسلام میں اور دوسرے مسلک میں فرق یہ ہیکہ دوسرے مسلک اگر انسانوں سے اس طرز کی فنائیت اور فدائیت اور وفاداری مانگتے ہیں تو یہ فی الواقع انسان پر انکا حق نہیں ہے۔ بلکہ یہ انکا انسان سے ایک بے جا مطالبہ ہے۔ اسکے برعکس اسلام اگر انسان سے اسکا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اسکا عین حق ہے۔ وہ جن چیزوں کی خاطر انسان سے کہتے ہیں کہ تو اپنے آپکو اور اپنی زندگی کو اور اپنی پوری شخصیت کو ان پر تج دے، ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کا فی الواقع انسان پر یہ حق ہو کہ اسکی خاطر انسان اپنی کسی شئے کو قربان کرے۔ لیکن اسلام جس خدا کیلئے انسان سے یہ قربانی مانگتا ہے وہ حقیقت میں اسکا حق رکھتا ہیکہ اس پر سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے انسان خود اللہ کا ہے۔ جو کچھ انسان کے پاس ہے اور جو کچھ انسان کے اندر ہے سب اللہ کا ہے اور جن چیزوں سے انسان دنیا میں کام لیتا ہے وہ سب بھی اللہ کی ہیں۔ اس لئے عین تقاضائے عدل اور عین مقتضائے عقل ہیکہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ ہی کیلئے ہو۔ دوسروں کیلئے یا خود اپنے مفاد اور اپنے نفس کے مرغوبات کیلئے انسان جو قربانی بھی کرتا ہے وہ دراصل ایک خیانت ہے، اِلّا یہ کہ وہ خدا کی اجازت سے ہو اور خدا کیلئے جو قربانی کرتا ہے فی الحقیقت وہ ادائے حق ہے۔

لیکن اس پہلو سے قطع نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کیلئے ان لوگوں کے طرز عمل میں ایک بڑا سبق ہے جو اپنے باطل مسلکوں کی خاطر اور اپنے نفس جھوٹے معبودوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر رہے ہیں اور اس استقامت کا ثبوت دے رہے ہیں جس کی نظیر مشکل ہی سے تاریخ انسانی میں ملتی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہوگی اگر باطل کیلئے انسانوں سے ایسی کچھ فدائیت اور فنائیت ظہور میں آئے اور حق کیلئے اسکا ہزارواں حصہ بھی نہ ہو سکے۔

ایمان و اسلام کا یہ معیار جو اس آیت اور اس حدیث میں بیان ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنے آپکو اس پر پرکھ کر دیکھیں اور اسکی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے تو دیکھئے کہ آیا فی الواقع آپکا جینا اور مرنا خدا کیلئے ہے؟ کیا آپ اسی لئے جی رہے ہیں اور آپکے دل اور دماغ کی ساری قابلیتیں، آپکے جسم اور جان کی ساری قوتیں، آپکے اوقات اور آپکی محنتیں کیا اسی کوشش میں صرف ہو رہی ہیں کہ خدا کی مرضی آپکے ہاتھوں پوری ہوں اور آپکے ذریعہ سے وہ کام انجام پائے جو خدا اپنی مسلم امت سے لینا چاہتا ہے؟ کیا نفس کی بندگی، خاندان کی، برادری کی، دوستوں کی، سوسائٹی کی اور حکومت کی بندگی، آپکی زندگی سے بالکل خارج ہو چکی ہے؟ کیا آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے؟ پھر دیکھئے کہ آپ واقعی جس سے محبت کرتے ہیں خدا کیلئے کرتے ہیں؟ جس سے نفرت کرتے ہیں خدا کیلئے کرتے ہیں؟ اور اس نفرت اور محبت میں آپکی نفسانیت کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے؟ پھر کیا آپکا غلط کاموں سے روکنا بھی خدا کی خاطر ہو چکا ہے؟ اپنے پیٹ اور اپنے نفس سمیت دنیا میں آپ جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اسی لئے دے رہے ہیں کہ خدا نے اسکا حق مقرر کیا ہے اور اسکو دینے سے صرف خدا کی رضا آپکو مطلوب ہے؟ اور اسی طرح جس سے آپ جو کچھ روک رہے ہیں وہ بھی اسی لئے روک رہے ہیں کہ خدا نے اسے روکنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسکے روکنے میں آپکو خدا

کی خوشنودی حاصل ہونے کی تمنا ہے؟ اگر آپ یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کیجئے کہ اس نے آپ پر نعمت ایمان کا اتمام کردیا۔ اور اگر اس حیثیت سے آپ اپنے اندر کمی محسوس کرتے ہیں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کیجئے اور تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر مرکوز کردیجئے، کیونکہ اسی کسر کے پورے ہونے پر دنیا میں آپکی فلاح اور آخرت میں آپکی نجات کا دارومدار ہے۔ آپ دنیا میں خواہ کچھ بھی حاصل کرلیں اسکے حصول سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہوسکتی جو اس کسر کی بدولت آپکو پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ کسر آپ نے پوری کرلی تو خواہ آپکو دنیا میں کچھ حاصل نہ ہو پھر بھی آپ خسارے میں نہ رہیں گے۔

یہ کسوٹی اس غرض کیلئے نہیں ہیکہ اس پر آپ دوسروں کو پرکھیں اور انکے مومن یا منافق، اور مسلم یا کافر ہونے کا فیصلہ کریں بلکہ یہ کسوٹی اس غرض کیلئے ہے کہ آپ اس پر خود اپنے آپکو پرکھیں، اور آخرت کی عدالت میں جانے سے پہلے اپنا کھوٹ معلوم کرکے یہیں اسے دور کرنے کی فکر فرمائیں۔ آپکو فکر اس بات کی نہ ہونی چاہئے کہ دنیا میں مفتی اور قاضی آپکو کیا قرار دیتے ہیں بلکہ اسکی ہونی چاہئے کہ احکم الحاکمین اور عالم الغیب والشہادۃ آپکو کیا قرار دیگا۔ آپ اس پر مطمئن نہ ہوں کہ یہاں آپکا نام مسلمانوں کے رجسٹر میں لکھا ہے، فکر اس بات کی کیجئے کہ خدا کے دفتر میں آپ کیا لکھے جاتے ہیں۔ ساری دنیا بھی آپکو سند اسلام و ایمان دیدے تو کچھ حاصل نہیں۔ فیصلہ جس خدا کے ہاتھ میں ہے اسکے ہاں منافق کے بجائے مومن، نافرمان کے بجائے فرمانبردار، اور بے وفا کے بجائے وفادار قرار پانا اصل کامیابی ہے۔

خدا کی اطاعت کس لئے؟

برادران اسلام! پچھلے کئی خطبوں سے میں آپکے سامنے بار بار ایک ہی بات بیان کررہا ہوں کہ "اسلام" اللہ اور رسول کی اطاعت کا نام ہے اور آدمی اُس وقت تک "مسلمان" بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کی رسم و رواج کی، دنیا کے لوگوں کی، غرض ہر ایک کی اطاعت چھوڑ کر اللہ اور اسکے رسول اللہ کی اطاعت نہ کریں۔

آج میں آپکے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر اس قدر زور آخر کیوں دیا جاتا ہے۔ ایک شخص پوچھ سکتا ہے کیا خدا ہماری اطاعت کا بھوکا ہے۔ نعوذ باللہ، کہ وہ ہم سے اس طرح اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ خدا بھی دنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے جیسے دنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو اسی طرح خدا بھی کہتا ہے میری اطاعت کرو؟ آج میں اسی کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

اصل یہ ہیکہ اللہ تعالیٰ جو انسان سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ انسان ہی کی فلاح و بہتری کیلئے کرتا ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے، دنیا کے حاکم اپنے فائدے کیلئے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے اسکو آپ سے ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے، اسے کوٹھیاں بنانے اور موٹریں خریدنے اور آپکی کمائی سے اپنے عیش کے سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں ہے، وہ پاک ہے، کسی کا محتاج نہیں دنیا

میں سب کچھ اسی کا ہے اور سارے خزانوں کا وہی مالک ہے، وہ آپ سے صرف اس لئے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہیکہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے یا کسی انسان کی غلام ہو، یا کسی ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکائے، وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی بندگی کرے۔ اسفل السافلین میں جا گرے، اسلئے وہ فرماتا ہیکہ تم ہماری اطاعت کرو۔ ہم نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اسکو لے کر چلو پھر تم کو سیدھا راستہ مل جائے گا اور تم اس راستہ پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کرسکو گے۔

(البقرہ : ۲۵۷.۲۵۶)

ترجمہ: ''یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا سیدھا راستہ جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے الگ کر کے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے، اب تم میں سے جو کوئی جھوٹے خداؤں اور گمراہ کرنے والے آقاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایسی مضبوط رسی تھامی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں ان کا نگہبان اللہ ہے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں ان کے نگہبان، ان کے جھوٹے خدا اور گمراہ کرنے والے آقا ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں، جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ:۲۵۷۔۲۵۶)

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء دوسروں کی اطاعت سے آدمی اندھیرے میں کیوں چلا جاتا ہے اور اسکی کیا وجہ ہیکہ روشنی صرف اللہ ہی کی طاعت سے مل سکتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپکی زندگی بے شمار تعلقات سے جکڑی ہوئی ہے۔ سب سے پہلا تعلق تو آپکا اپنے جسم کے ساتھ ہے۔ یہ پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ زبان، یہ دل، یہ دماغ، یہ پیٹ سب آپکی خدمت کیلئے اللہ نے آپکو دیئے ہیں، آپکو یہ فیصلہ کرنا ہیکہ ان سے کس طرح خدمت لیں، پیٹ کو کیا کھلائیں اور کیا نہ کھلائیں؟ ہاتھوں سے کیا کام لیں اور کیا نہ لیں؟ پاؤں کو کس راستہ پر چلائیں اور کس راستہ پر نہ چلائیں؟ آنکھ اور کان سے کس قسم کے کام لیں اور کس قسم کے کام نہ لیں؟ زبان کو کن باتوں کیلئے استعمال کریں؟ دل میں کیسے خیالات رکھیں، دماغ سے کیسی باتیں سوچیں؟ ان سب خادموں سے آپ اچھے کام بھی لے سکتے ہیں اور برے بھی۔ یہ آپکو بلند درجہ کا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر درجے میں پہنچا سکتے ہیں۔

پھر آپکے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہے، باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار ہیں جن سے آپکا رات دن کا تعلق ہے، یہاں آپکو یہ فیصلہ کرنا ہیکہ ان سے آپ کس طرح کا برتاؤ کریں؟ اُن پر آپکے کیا حقوق ہیں اور آپ پر اُنکے کیا حقوق ہیں؟ انکے ساتھ ٹھیک برتاؤ کرنے ہی پر دنیا اور آخرت میں آپکی راحت، خوشی اور کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط برتاؤ کریں گے تو دنیا کو اپنے لئے جہنم بنالیں گے اور دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے سخت جواب دہی آپکو کرنی ہوگی۔

پھر آپکے تعلقات دنیا کے بیشمار لوگوں سے ہے۔ کچھ لوگ آپکے ہم سائے ہیں، کچھ آپکے دوست ہیں، کچھ آپکے دشمن ہیں۔ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو آپکی خدمت کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جنکی آپ خدمت کرتے ہیں، کسی سے آپکو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا، کوئی آپ پر بھروسہ کرکے اپنے کام آپکے سپرد کرتا ہے۔ کسی پر آپ خود بھروسہ کرکے اپنے کام اسکے سپرد کرتے ہیں۔ کوئی آپکا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے آدمیوں کے ساتھ آپکو رات دن کسی نہ کسی قسم کا معاملہ پیش آتا ہے۔ جنکا آپ شمار نہیں کرسکتے۔ دنیا میں آپ مسرت آپکی کامیابی، آپکی عزت اور نیک نامی کا سارا انحصار اس پر ہیکہ سارے تعلقات جو میں نے آپکے سامنے بیان کئے ہیں صحیح اور درست ہوں، اس طرح آخرت میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی وقت سرخرو ہوسکتے ہیں کہ جب اپنے مالک کے سامنے حاضر ہوں تو اس حال میں آپ نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو، کسی پر ظلم کیا ہو، کوئی آپکے خلاف وہاں نالش کرے، کسی کی زندگی خراب کرنے کا وبال آپکے سر پر ہو، کسی کی عزت یا جان و مال کو آپ نے ناجائز طور نقصان پہنچایا ہو لہٰذا آپکو یہ فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہیکہ ان بے شمار تعلقات کو درست کس طرح رکھا جائے، اور انکو خراب کرنے والے طریقے کون سے ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

اب آپ غور کیجئے کہ اپنے جسم سے، اپنے گھروالوں سے اور دوسرے تمام لوگوں سے صحیح تعلق رکھنے کیلئے آپکو ہر ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے۔ قدم قدم پر آپکو یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہیکہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ حق کیا اور باطل کیا؟ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا؟ کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور کس پر آپکا حق کتنا ہے؟ کس چیز میں حقیقی فائدہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان ہے؟ یہ علم اگر آپ خود اپنے نفس کے پاس تلاش کریں گے تو وہاں یہ نہ ملے گا۔ اسلئے کہ نفس تو خود جاہل ہے۔ اسکے پاس خواہشات کے سوا دھرا کیا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ شراب پیو، زنا کرو، حرام کھاؤ، کیونکہ اس میں بڑا مزہ ہے۔ وہ تو کہے گا کہ سب کا حق مار کھاؤ کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لے لیا سب کچھ اور دیا کچھ نہیں۔ وہ تو کہے گا کہ سب سے اپنا مطلب نکالو اور کسی کے کچھ کام نہ آؤ کیونکہ اس میں نفع بھی ہے اور آسائش بھی۔ ایسے جاہل کے ہاتھ میں جب اپنے آپکو دیں گے تو وہ آپکو نیچے کی طرف لے جائیگا یہاں تک کہ آپ انتہا درجہ کے خود غرض، بدنفس اور بدکار ہو جائیں گے اور آپکی دین اور دنیا دونوں خراب ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہیکہ آپ نفس کے بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر بھروسہ کریں اور اپنی باگ

انکے ہاتھ میں دے دیں کہ جدھر وہ چاہیں ادھر لے جائیں، اس صورت میں یہ خطرہ ہیکہ ایک خودغرض آدمی کہیں آپکو خود اپنی خواہش کا غلام نہ بنا ڈالیں۔ ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو اور آپکو گمراہ کردے۔ یا ایک ظالم آپکو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کیلئے آپ سے کام لے۔ غرض یہاں بھی آپکو علم وہ روشنی نہیں مل سکتی جو آپکو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی ہو اور دنیا کی اس زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستہ پر چلا سکے۔

اسکے بعد صرف ایک خدائے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے جہاں سے یہ روشنی آپکو مل سکتی ہے۔ خدا علیم اور بصیر ہے وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے وہی ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہیکہ آپکا حقیقی نفع کس چیز میں ہے اور حقیقی نقصان کس چیز میں۔ آپ کیلئے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور کونسا غلط۔ پھر خداوند تعالیٰ بے نیاز بھی ہے۔ اسکو اپنی کوئی غرض ہی نہیں۔ اسے اسکی ضرورت ہی نہیں ہیکہ معاذ اللہ آپکو دھوکا دے کر کچھ نفع حاصل کرے اس لئے کہ وہ پاک، بے نیاز مالک جو کچھ بھی ہدایت دیگا بے غرض دے گا اور صرف آپکے فائدے کیلئے دیگا۔ پھر خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے، ظلم کا اسکی ذات پاک میں شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس لئے وہ سراسر حق کی بناء پر حکم دے گا۔ اسکے حکم پر چلنے میں اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہیکہ آپ خود اپنے اوپر، یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں۔

یہ روشنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے دو باتوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ آپ اللہ پر، اور اسکے رسولؐ پر جسکے واسطہ سے یہ روشنی آرہی ہے سچے دل سے ایمان لائیں یعنی آپکو پورا یقین ہو کہ خدا کی طرف سے اسکے رسول پاکؐ نے جو کچھ ہدایت دی ہے جو بالکل برحق ہے خواہ اسکی مصلحت آپکی سمجھ میں آئے یا نہ آئے دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ اسکی اطاعت کریں اسلئے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہیکہ فلاں چیز زہر ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے، اسے نہ کھاؤ، آپ کہتے ہیں کہ بے شک تم نے سچ کہا، یہ زہر ہی ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے مگر یہ جاننے اور ماننے کے باوجود آپ اس چیز کو کھا جاتے ہیں، ظاہر ہیکہ اسکا نتیجہ وہی ہوگا جو نہ جانتے ہوئے کھانے کا ہوتا ہے۔ ایسے جاننے اور ماننے سے کیا حاصل ہے؟ اصلی فائدہ تو اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب آپ ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر فقط زبان ہی سے آمنا و صدقنا نہ کہیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں اور جس بات سے روکا گیا ہے اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار ہی نہ کریں، بلکہ اپنے اعمال میں اس سے پرہیز بھی کریں، اسی لئے حق تعالیٰ بار بار فرماتا ہیکہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول، میری اطاعت کرو اور میرے رسولؐ کی، و من تطیعوہ تھتدو، اگر میرے رسولؐ کی اطاعت کروگے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ فلیحذا الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ، وہ لوگ جو ہمارے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انکو ڈرنا چاہئے کہ وہ کہیں کسی آفت میں نہ پڑ جائیں۔

برادران اسلام! یہ جو بار بار میں آپ سے کہتا ہوں کہ صرف اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کرنی چاہئے، اسکا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ آپکو کسی آدمی کی بات ماننی ہی نہیں چاہئے۔ نہیں، دراصل اسکا مطلب یہ ہیکہ آپ

آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ جو شخص آپ سے کسی کام کو کہتا ہے وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق کہتا ہے یا اسکے خلاف، اگر مطابق کہتا ہے تو اسکی بات ضرور مان لینی چاہئے کیونکہ اس صورت میں آپ اسکی اطاعت کب کر رہے ہیں؟ یہ تو دراصل اللہ اور اسکے رسولؐ ہی کی اطاعت ہے اور اگر وہ حکم خدا اور رسول کے خلاف کہتا ہے تو اسکی بات اسکے منہ پر دے ماریئے خواہ وہ کوئی ہو، کیونکہ آپ کیلئے سوائے خدا اور رسولؐ سے کسی کے حکم کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

یہ بات آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تو آپکے سامنے آکر حکم دینے سے رہا! اسکو جو کچھ احکام دینے تھے وہ اس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے بھیج دئے۔ اب رہے حضرت رسول کرمؐ، تو آپؐ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے وفات پا چکے ہیں، آپکے ذریعہ سے جو احکام خدا نے دیئے تھے وہ قرآن اور حدیث میں ہے لیکن قرآن اور حدیث خود بھی چلنے پھرنے اور بولنے اور حکم دینے والی چیزیں نہیں ہیں کہ آپکے سامنے آئیں اور آکر کسی بات کا حکم دیں اور کسی بات سے روکیں، قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق آپکو چلانے والے بہرحال انسان ہی ہونگے۔ اس لئے انسانوں کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں البتہ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہیکہ آپ انسانوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے نہ چلیں بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا یہ دیکھئے کہ وہ قرآن اور حدیث کے مطابق چلا رہے ہیں یا نہیں، اگر قرآن اور حدیث کے مطابق کے چلائیں تو انکی اطاعت آپ پر فرض ہے اور اگر اسکے خلاف چلائیں تو انکی اطاعت حرام ہے۔

دین اور شریعت

برادران اسلام! مذہب کی باتوں میں آپ اکثر دو لفظ سنا کرتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ ایک دین دوسرے شریعت۔ لیکن آپ میں سے بہت کم آدمی ہیں جنکو یہ معلوم ہوگا کہ دین کے کیا معنی ہیں اور شریعت کا کیا مطلب ہے، بے پڑھے لکھے تو خیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بلکہ بہت سے مولوی بھی یہ نہیں جانتے کہ ان دو لفظوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے اور ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت سے اور شریعت کو دین سے گڈمڈ کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج میں بہت سادہ الفاظ میں آپکو انکا مطلب سمجھاتا ہوں۔

دین کے کئی معنی ہیں، ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرماں روائی کے ہیں، دوسرے معنی اسکے برعکس ہیں یعنی زبردستی، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزاء اور سزاء کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ ''دین'' انہی معنوں میں آیا ہے، فرمایا:

ان الدین عنداللہ الاسلام''

یعنی خدا کے نزدیک دین ہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے، اور اسکے سواء کسی کے آگے اپنے آپکو ذلیل نہ کرے، صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اسکے سواء کسی کا غلام، فرمانبردار اور تابعدار بن کر رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اسکے سواء کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے، اسی دین کا نام ''اسلام'' ہے، اگر اسکو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصل جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اسکے سامنے ذلت سے سر جھکایا، اسکی بندگی اور غلامی کی، اسکا حکم مانا اور اسکی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سواء کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہی ہے، نہ اور کی غلامی اور بندگی کیلئے انسان پیدا کیا گیا ہے، نہ اُس مالک حقیقی کے سواء کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے، یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

(آل عمران : ۸۵)

''یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اسکی بندگی اور غلامی اختیار کریگا، اور اسکو جزا و سزا دینے والا سمجھے گا اسکے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے'' (آل عمران: ۸۵) اس لئے کہ:

(البینہ : ۵)

''انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سواء کسی اور کی بندگی کرنے کا انہیں حکم ہی نہیں دیا ہے، انکا تو فرض یہ ہیکہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کیلئے اپنے دین، یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کر دیں، اور یکسو ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں، اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں''۔

(آل عمران:۸۳)

''کیا انسان خدا کے سواء کسی اور کی غلامی اور فرمانبرداری کرنا چاہتا ہے حالاں کہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرماں بردار ہیں، اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کیلئے خدا کے سواء کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے۔ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لئے نکالنا چاہتا ہے''؟

(التوبہ : ۳۳)

"اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچے دین کا علم دے کر اسی لئے بھیجا ہیکہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کر دے کہ وہ خداوندِ عالم کے سوا کسی کا بندہ بن کر نہ رہے چاہے کفار و مشرکین اس پر اپنی جہالت سے کتنی ہی واویلا مچائیں، اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں"۔

(الانفال ، ۳۹)

"اور تم جنگ کرو تاکہ دنیا سے غیر اللہ کی فرمانروائی کا فتنہ مٹ جائے، اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے اور انسان صرف خدا کی بندگی کرے۔

اس تشریح سے آپکو معلوم ہوگا کہ دین کے کیا معنی ہیں:
خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا۔
خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا۔
اور خدا کے حساب سے ڈرنا، اسکی سزا کا خوف کھانا، اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا۔
پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اسکی کتاب اور اسکے رسولؐ کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے اس لئے رسولؐ کو خدا کا رسولؐ اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اسکی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے، جیسا کہ فرمایا:

(الاعراف : ۳۵)

یعنی "اے بنی آدم! جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور انکے مطابق اپنا عمل درست کر لے گا، اسکے لئے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطہ سے بھیجتا ہے، اس لئے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو، وہ اسکی فرمانبرداری صرف اسی طرح کر سکتا ہیکہ اسکے رسولوں کی فرماں برداری کرے، اور رسولؐ کے ذریعہ سے جو احکام آئیں انکی اطاعت کرے، اسی کا نام دین ہے۔

اب میں آپکو بتاؤں گا کہ شریعت کسے کہتے ہیں۔ شریعت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں، جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا، اور اسکی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسولؐ اسی کی طرف سے حاکم مجاز ہے، اور کتاب اسی کی طرف سے ہے، تو تم دین میں داخل ہو گئے، اسکے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے اور اسکی فرمانبرداری میں جس راستہ پر چلنا ہے اسکا نام شریعت ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسولؐ ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے۔ وہی یہ سکھاتا ہیکہ اپنے مالک کی عبادت اس طرح کرو، طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے، یہ نیکی

اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے حقوق اسطرح ادا کرنے چاہئیں، معاملات یوں انجام دینے چاہئیں، اور زندگی اسطرح بسر کرنی چاہئے۔ لیکن فرق یہ ہیکہ دین ہمیشہ سے ایک تھا، ایک ہی رہا اور اب بھی ایک ہی ہے۔ مگر شریعتیں بہت سی آئیں، بہت سی منسوخ ہوئیں، بہت سی بدلی گئیں، اور کبھی انکے بدلنے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا دین بھی وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کا تھا۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے، مگر شریعتیں ان سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ۔ حرام اور حلال کے احکام، طہارت کے قاعدے، نکاح اور طلاق اور وراثت کے قانون ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ انکے باوجود سب مسلمان تھے حضرت نوح علیہ السلام کے پیرو بھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو بھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو بھی اور ہم بھی۔ اسلئے کہ دین سب کا ایک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں فرق ہونے سے دین میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دین ایک ہی رہتا ہے چاہے اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں۔

اس فرق کو یوں سمجھو کہ ایک آقا کے بہت سے نوکر ہیں۔ جو شخص اسکو آقا ہی نہیں مانتا اور اسکے حکم کو اپنے لئے واجب التعمیل ہی نہیں سمجھتا، وہ تو نافرمان ہے اور نوکری کے دائرے ہی سے خارج ہے۔ اور جو لوگ اسکو آقا تسلیم کرتے ہیں، اسکے حکم کو ماننا اپنا فرض جانتے ہیں، اور اسکی نافرمانی سے ڈرتے ہیں، وہ سب نوکروں کے زمرے میں داخل ہیں، نوکری بجالانے اور خدمت کرنے کے طریقے مختلف ہوں تو اس سے انکے نوکر ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر آقا نے کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا ہے اور دوسرے کو دوسرا طریقہ، تو ایک نوکر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں نوکر ہوں اور وہ نوکر نہیں ہے، اسی طرح اگر آقا کا حکم سن کر ایک نوکر اسکا منشاء کچھ سمجھتا ہے اور دوسرا کچھ اور، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، تو نوکری میں دونوں برابر ہیں۔ یہ ہوسکتا ہیکہ ایک نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو اور دوسرے نے صحیح مطلب سمجھا ہو لیکن جب تک اطاعت سے کسی نے انکار نہ کیا ہو، کسی کو کسی سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو نافرمان ہے یا تجھے آقا کی نوکری سے خارج کردیا گیا ہے۔

اس مثال سے آپ دین اور شریعت کے فرق کو بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، نبی کریمؐ سے پہلے اللہ تعالیٰ مختلف رسولوں کے ذریعہ سے مختلف شریعتیں بھیجتا رہا۔ کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا اور کسی دوسرا طریقہ۔ ان سب طریقوں کے مطابق جن جن لوگوں نے مالک کی اطاعت کی وہ سب مسلمان تھے، اگرچہ انکی نوکری کے طریقے مختلف تھے۔ پھر جب نبی کریمؐ تشریف لائے تو آقا نے حکم دیا کہ اب پچھلے طریقوں کو ہم منسوخ کرتے ہیں، آئندہ سے جسکو ہماری نوکری کرنی ہو وہ اس طریقے پر نوکری کرے جواب ہم اپنے آخری پیغمبرؐ کے ذریعہ سے بتاتے ہیں، اسکے بعد کسی نوکر کو پچھلے طریقوں پر نوکری کرنے کا حق باقی نہیں رہا، کیونکہ اب اگر وہ نئے طریقے کو نہیں مانتا اور پرانے طریقوں پر چل رہا ہے تو وہ دراصل آقا کا حکم نہیں مانتا، بلکہ اپنے دل کا کہا مان رہا ہے اسلئے وہ نوکری

سے خارج ہے، یعنی مذہب کی زبان میں کافر ہو گیا ہے۔

یہ تو پچھلے انبیاء کے ماننے والوں کیلئے ہے۔ رہے نبی کریمؐ کے پیرو تو ان پر اس مثال کا دوسرا حصہ صادق آتا ہے۔ اللہ نے جو شریعت نبی اکرمؐ کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے اسکو خدا کی شریعت ماننے والے، اور اسے واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں۔ اب اگر اس شریعت کے احکام ایک شخص کسی طرح سمجھتا ہے اور دوسرا کسی اور طرح، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں تو چاہے انکے عمل میں کتنا ہی فرق ہو، ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہوگا، اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقہ پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر تو چل رہا ہیکہ یہ آقا کا حکم ہے، پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہیکہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ بس وہ یہی کہہ سکتا ہے میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا اور اس نے صحیح نہیں سمجھا۔ مگر وہ اسکو نوکری سے خارج کر دینے کا مجاز کیسے ہو گیا؟ جو شخص ایسی جرأت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے، وہ گویا یہ کہتا ہیکہ تو جسطرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور ہے اسی طرح میری سمجھ کو بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دوں گا۔ غور کرو یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے فرمایا ہیکہ "جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا اسکا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا" کیونکہ مسلمان کو تو خدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے، مگر یہ شخص کہتا ہیکہ نہیں، تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو، یعنی صرف خدا ہی تمہارا خدا نہیں ہے بلکہ میں بھی چھوٹا خدا ہوں اور میرا حکم نہ مانو گے تو میں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کر دوں گا۔ چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے۔ ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے اسکے کہنے سے چاہے دوسرا مسلمان کافر ہو یا نہ ہو، مگر وہ خود تو اپنے آپکو کفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے۔

حاضرین! آپ نے دین اور شریعت کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا، اور یہ بھی آپ نے جان لیا ہوگا کہ بندگی کے طریقوں میں اختلاف ہو جانے سے دین میں اختلاف نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ آدمی جس طریقہ پر عمل کرے نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ کر عمل کرے کہ خدا اور اسکے رسولؐ نے وہی طریقہ بتایا ہے جس پر وہ عامل ہے اور اسکے پاس اپنے اس طرز عمل کیلئے خدا کی کتاب یا اسکے رسولؐ کی سنت کی کوئی سند موجود ہو۔

اب میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ دین اور شریعت کے اس فرق کو نہ سمجھنے سے آپکی جماعت میں کتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں۔

مسلمانوں میں نماز پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک شخص سینے پر ہاتھ باندھتا ہے، دوسرا ناف پر باندھتا ہے۔ ایک شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے دوسرا نہیں پڑھتا۔ ایک شخص آمین زور سے کہتا ہے دوسرا آہستہ کہتا ہے۔ ان میں سے ہر شخص جس طریقہ پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر چل رہا ہیکہ یہ نبی کریمؐ کا طریقہ ہے اور اسکے لئے وہ اپنی سند پیش کرتا ہے اس لئے نماز کی صورتیں مختلف ہونے کے باوجود دونوں حضورؐ کے پیرو ہیں۔ مگر جن ظالموں

نے شریعت کے ان مسائل کو دین سمجھ رکھا ہے انہوں نے محض انہی طریقوں کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھ لیا، اپنی جماعتیں الگ کر لیں، اپنی مسجدیں الگ کر لیں، ایک نے دوسرے کو گالیاں دیں، مسجدوں سے مار مار کر نکال دیا، مقدمہ بازیاں کیں اور رسول اللہ ﷺ کی امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اس سے بھی لڑنے اور لڑانے والوں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک نے دوسرے کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص قرآن سے یا حدیث سے ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے تو وہ اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے اس پر عمل کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسروں سے بھی اپنی سمجھ زبردستی تسلیم کرائے اور اگر وہ اسے تسلیم نہ کریں تو ان کو خدا کے دین سے خارج کر دے۔

آپ مسلمانوں میں حنفی، شافعی، اہل حدیث وغیرہ جو مختلف مذہب دیکھ رہے ہیں یہ سب قرآن وحدیث کو آخری سند مانتے ہیں۔ اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق وہیں سے احکام نکالتے ہیں، ہوسکتا ہیکہ ایک سمجھ صحیح ہو اور دوسرے کی غلط ہو۔ میں بھی ایک طریقہ کا پیرو ہوں اور اسکو صحیح سمجھتا ہوں اور اسکے خلاف جو لوگ ہیں ان سے بحث بھی کرتا ہوں، تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ انکو سمجھاؤں اور جس بات کو میں غلط سمجھتا ہوں اسے غلط ثابت کروں۔ لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اسکا دین سے خارج ہو جانا دوسری بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو جب تک وہ شریعت کو مانتے ہیں، وہ سب مسلمان ہی ہیں، ایک ہی امت ہیں، انکی جماعتیں الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں، ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں، اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں، ایک دوسرے سے شادی بیاہ، میل جول اور ربط وضبط بند کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے ہم مذہبوں کے جتھے اس طرح بنا لیتے ہیں کہ گویا ہر جتھا ایک الگ امت ہے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس فرقہ بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک امت ہیں، ہندوستان میں انکی آٹھ کروڑ کی تعداد ہے۔ اتنی بڑی جماعت اگر واقعی ایک ہو اور پورے اتفاق کے ساتھ خدا کا کلمہ بلند کرنے کیلئے کام کرے تو دنیا میں کون اتنا دم رکھتا ہے جو اسکو نیچا دکھا سکے۔ مگر حقیقت میں اس فرقہ بندی کی بدولت اس امت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ انکے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ سخت سے سخت مصیبت کے وقت میں بھی مل کر نہیں کھڑے ہو سکتے۔ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے والوں سے اتنا ہی تعصب رکھتا ہے جتنا ایک یہودی ایک عیسائی سے رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔ ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ ایک فرقے والے نے دوسرے فرقے والے کو نیچا دکھانے کیلئے کفار کا ساتھ دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر مسلمانوں کو آپ مغلوب دیکھ رہے ہیں تو تعجب نہ کیجئے، یہ انکے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ ان پر وہ عذاب نازل ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں اس طرح بیان کیا ہیکہ:

(الانعام : ٦٥)

"یعنی اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہیکہ وہ مختلف فرقوں میں تقسیم کردے اور تم آپس میں ہی کٹ کر مرو"۔(الانعام٦٥)

بھائیو! یہ عذاب جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں۔اس کے آثار مجھے پنجاب میں سب سے زیادہ نظر آرہے ہیں۔یہاں مسلمانوں کے فرقوں کی لڑائیاں ہندوستان کے ہر خطہ سے زیادہ ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود آپ کی قوت بے اثر ہے۔اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان جتھوں کو توڑیئے۔ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہئے اور ایک امت بن جایئے۔خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اہل حدیث، حنفی، دیو بندی، بریلوی، شیعہ، سنی وغیرہ الگ الگ بن سکیں۔یہ امتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔اللہ نے صرف ایک امت "امت مسلمہ" بنائی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت صوم وصلوٰۃ

عبادت

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں، میں نے آپ کو دین اور شریعت کا مطلب سمجھایا تھا۔آج میں آپ کے سامنے ایک اور لفظ کی تشریح کروں گا جسے مسلمان عام طور پر بولتے ہیں۔مگر بہت کم آدمی اس کا صحیح مطلب جانتے ہیں۔یہ ''عبادت'' کا لفظ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بیان فرمایاہیکہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات : ۵۶) یعنی''میں نے جن اور انسان کو اسکے سواء اور کسی غرض کیلئے پیدانہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں''اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپکی پیدائش اور آپکی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت کے سواء اور کچھ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ عبادت کا مطلب جاننا آپ کیلئے کس قدر ضروری ہے۔اگر آپ اسکے صحیح معنی سے ناواقف ہوں گے تو گویا اس مقصد ہی کو پورا نہیں کرسکیں گے جس کیلئے آپکو پیدا کیا گیا ہے اور جو چیز اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتی وہ ناکام ہوتی ہے۔ڈاکٹر اگر مریض کو اچھا نہ کرسکے تو کہتے ہیں وہ علاج میں ناکام ہوا،کسان اگر فصل پیدا نہ کرسکے تو کہتے ہیں کہ وہ زراعت میں ناکام ہوا۔اسی طرح اگر آپ اپنی زندگی کے اصل مقصد یعنی ''عبادت'' کو پورا نہ کرسکے تو کہنا چاہئے کہ آپکی ساری زندگی ہی ناکامیاب ہوگئی۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ

لوگ پورے غور کے ساتھ عبادت کا مطلب سنیں اور سمجھیں اور اسے اپنے دل میں جگہ دیں، کیونکہ اسی پر آپکی زندگی کے کامیاب یا ناکام ہونے کا انحصار ہے۔

عبادت کا لفظ ''عبد'' سے نکلا ہے۔ عبد کے معنی بندے اور غلام کے ہیں۔ اسلئے عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ جو شخص کسی کا بندہ ہو اگر وہ اس خدمت میں بندہ بن کر رہے اور اسکے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیئے تو یہ بندگی اور عبادت ہے۔ اسکے برعکس جو شخص کسی کا بندہ ہو اور آقا سے تنخواہ بھی پوری پوری وصول کرتا ہو، مگر آقا کے حضور کے بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور سرکشی کہا جاتا ہے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسے نمک حرامی کہتے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ آقا کے مقابلے میں بندوں کا سا طریقہ اختیار کرنے کی کیا صورت ہے؟

بندے کا پہلا کام یہ ہیکہ آقا ہی کو آقا سمجھے اور خیال کرے کہ جو میرا مالک ہے، جو مجھے رزق دیتا ہے، جو میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے۔ اسی کی وفاداری مجھ پر فرض ہے۔ اسکے سواء اور کوئی اسکا مستحق نہیں کہ میں اسکی وفاداری کروں۔

بندے کا دوسرا کام یہ ہیکہ ہر وقت آقا کی اطاعت کرے، اسکے حکم کو بجالائے۔ کبھی اسکی خدمت سے منہ نے موڑے اور آقا کی مرضی کے خلاف نہ خود اپنے دل سے کوئی بات کرے، نہ کسی دوسرے شخص کی بات مانے۔ غلام ہر وقت ہر حال میں غلام ہے۔ اسے یہ کہنے کا حق ہی نہیں کہ آقا کی فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہ مانوں گا۔ یا اتنی دیر کیلئے میں آقا کا غلام ہوں اور باقی وقت میں اسکی غلامی سے آزاد ہوں۔

بندے کا تیسرا کام یہ ہیکہ آقا کا ادب اور تعظیم کرے۔ جو طریقہ ادب اور تعظیم کرنے کا آقا نے مقرر کیا ہو اسکی پیروی کرے۔ جو وقت سلامی کیلئے حاضر ہونے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس وقت ضرور حاضر ہو اور اس بات کا ثبوت دے کہ میں اسکی وفاداری اور اطاعت میں ثابت قدم ہوں۔

بس یہی تین چیزیں ہیں جن سے مل کر عبادت بنتی ہے، ایک آقا کی وفاداری، دوسرے آقا کی اطاعت، تیسرے اسکا ادب اور اسکی تعظیم۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ:

''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' تو اسکا مطلب دراصل یہ ہیکہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو اسلئے پیدا کیا کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں، اسکے خلاف کسی اور کے وفادار نہ ہوں، صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اسکے خلاف کسی اور کا حکم نہ مانیں اور صرف اسکے آگے ادب اور تعظیم سے سر جھکائیں۔ کسی دوسرے کے آگے سر نہ جھکائیں۔ ان ہی تین چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے جامع لفظ میں بیان کیا ہے۔ یہی مطلب ان تمام آیتوں کا ہے جن میں اللہ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ ہمارے نبیؐ اور آپؐ سے پہلے جتنے نبی خدا کی طرف سے آئے ہیں، ان سب کی تعلیم کا سارا لب لباب یہی ہیکہ ''الا تعبدو االا ایاہ'' (یوسف: ۴۰) اللہ کے

سوا کسی کی عبادت نہ کرو"۔ یعنی صرف ایک بادشاہ ہے جس کا تمہیں وفادار ہونا چاہئے۔ اور وہ بادشاہ اللہ ہے، صرف ایک قانون ہے جسکی تمہیں پیروی کرنی چاہئے اور وہ قانون اللہ کا قانون ہے اور صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جسکی تمہیں پوجا اور پرستش کرنی چاہئے اور وہ ہستی اللہ کی ہے۔

عبادت کا یہ مطلب اپنے ذہن میں رکھئے اور پھر ذرا میرے سوالات کا جواب دیتے جائیے۔

آپ اس نوکر کے متعلق کیا کہیں گے جو آقا کی مقرر کی ہوئی ڈیوٹی پر جانے کے بجائے ہر وقت بس اسکے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور لاکھوں مرتبہ اسکا نام جپتا چلا جائے؟ آقا اس سے کہتا ہیکہ جا کر فلاں فلاں آدمیوں کے حق ادا کر۔ مگر یہ جاتا نہیں، بلکہ وہیں کھڑے کھڑے آقا کو جھک جھک کر دس سلام کرتا ہے اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آقا اسے حکم دیتا ہیکہ جا اور فلاں فلاں خرابیوں کو مٹا دے۔ مگر یہ ایک انچ وہاں سے نہیں ہٹتا اور سجدے پر سجدے کئے چلا جاتا ہے۔ آقا حکم دیتا ہیکہ چور کا ہاتھ کاٹ دے یہ حکم سن کر بس وہیں کھڑے کھڑے نہایت خوش الحانی کے ساتھ "چور کا ہاتھ کاٹ دے" "چور کا ہاتھ کاٹ دے" بیسیوں مرتبہ پڑھتا رہتا ہے۔ مگر ایک دفعہ بھی اس نظام حکومت کے قیام کی کوشش نہیں کرتا جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جا سکے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص حقیقت میں آقا کی بندگی کر رہا ہے؟ اگر آپکا کوئی ملازم یہ رویہ اختیار کرے تو میں نہیں جانتا ہوں کہ آپ اسے کیا کہیں گے؟ مگر حیرت ہے آپ پر کہ خدا کا جو نوکر ایسا کرتا ہے آپ اسے بڑا عبادت گذار کہتے ہیں! یہ ظالم صبح سے شام تک خدا جانے کتنی مرتبہ قرآن شریف میں خدا کے احکام پڑھتا ہے مگر ان احکام بجالانے کیلئے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کرتا۔ بلکہ نفل پر نفل پڑھے جاتا ہے۔ ہزار دانہ تسبیح پر خدا کا نام جپتا ہے اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ آپ اسکی یہ حرکتیں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا زاہد، عابد بندہ ہے۔ یہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے ہیکہ آپ عبادت کا صحیح مطلب نہیں جانتے۔

ایک اور نوکر ہے جو رات دن ڈیوٹی تو غیروں کی انجام دیتا ہے۔ احکام غیروں کے سنتا اور مانتا ہے، قانون پر غیروں کے عمل کرتا ہے اور اپنے اصلی آقا کے فرمان کی ہر وقت خلاف ورزی کیا کرتا ہے۔ مگر سلامی کے وقت آقا کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔ اور زبان سے آقا ہی کا نام جپتا رہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی شخص کا نوکر یہ طریقہ اختیار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ اسکی سلامی کو اسکے منہ پر نہ ماردیں گے؟ جب وہ زبان سے آپکو آقا اور مالک کہے گا تو کیا آپ فوراً یہ جواب نہ دیں گے کہ تو پرلے درجے کا جھوٹا اور بے ایمان ہے، تنخواہ مجھ سے لیتا ہے اور نوکری دوسروں کی کرتا ہے، زبان سے مجھے آقا کہتا ہے اور حقیقت میں میرے سواء ہر ایک کی خدمت کرتا پھرتا ہے؟ یہ تو ایک معمولی عقل کی بات ہے جسے آپ میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے مگر کیسی حیرت کی بات ہیکہ جو لوگ رات دن خدا کے قانون کو توڑتے ہیں، کفار و مشرکین کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اور اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ انکی نماز اور روزے، تسبیح اور تلاوت قرآن اور حج زکوٰۃ کو آپ خدا کی

عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے آپ عبادت کے اصل مطلب سے ناواقف ہیں۔

ایک اور نوکر کی مثال لیجئے۔ آقا نے اپنے نوکروں کیلئے جو وردی مقرر کی ہے۔ یہ ٹھیک ناپ تول کے ساتھ اس وردی و پہنتا ہے، بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، ہر حکم کو سنکر اسطرح جھک کر "بسر و چشم" کہتا ہیکہ گویا اس سے بڑھ کر اطاعت گذار خادم کوئی نہیں۔ سلامی کے وقت سب سے آگے جا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور آقا کا نام جپنے میں تمام نوکروں سے بازی لے جاتا ہے۔ مگر دوسری طرف یہی شخص آقا کے دشمنوں اور باغیوں کی خدمت بجالاتا ہے، آقا کے خلاف انکی سازشوں میں حصہ لیتا ہے۔ اور آقا کا نام دنیا سے مٹانے کی کوشش بھی وہ کرتا ہے اس میں یہ کم بخت بھی اسکا ساتھ دیتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو آقا کے گھر میں نقب لگاتا ہے اور صبح بڑے وفادار ملازموں کیطرح ہاتھ باندھ کر آقا کی خدمات میں حاضر ہو جاتا ہے۔ ایسے نوکر کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ وہ منافق ہے، باغی ہے، نمک حرام ہے؟ مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں انکو آپ کیا کہا کرتے ہیں؟ کسی کو پیر صاحب اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دیندار، متقی اور عبادت گذار۔ یہ صرف اسلئے کہ آپ انکے منہ پر پورے ناپ کی ڈاڑھیاں دیکھ کر، انکے ٹخنوں سے دو دو انچ اونچے پاجامے دیکھ کر، انکی پیشانیوں پر نماز کے گٹھے دیکھ کر اور انکی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی تسبیحیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑے دیندار اور عبادت گذار ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہیکہ آپ نے عبادت اور دین داری کا مطلب ہی غلط سمجھا ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزآنہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنے کا نام عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں قرآن کے چند رکوع زبان سے پڑھ دینے کا نام عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مکہ معظمہ جا کر کعبہ کے گرد طواف کرنے کا نام عبادت ہے۔ غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے۔ اور جب کوئی شخص ان شکلوں کے ساتھ ان افعال کو ادا کر دیتا ہے تو آپ خیال کرتے ہیں کہ اس نے خدا کی عبادت کر دی اور "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ اپنی زندگی میں آزاد ہیکہ جو چاہے کرے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہیکہ اللہ نے جس عبادت کیلئے آپ کو پیدا کیا ہے اور جسکا آپکو حکم دیا ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہیکہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت، ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کی پابندی سے آزاد ہو جائیں جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔ آپکا ہر فعل اس طریقے کے مطابق ہو جو خدا نے بتا دیا ہے۔ اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہے اور جاگنا بھی، کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی۔ چلنا پھرنا بھی عبادت اور بات کرنا بھی، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچے کو پیار کرنا بھی عبادت ہے۔ جن کاموں کو آپ بالکل دنیاداری کہتے ہیں وہ سب دینداری اور عبادت ہیں، اگر آپ انکو انجام دینے میں خدا کی مقرر کی

ہوئی حدوں کا لحاظ کریں اور زندگی میں ہر قدم پر یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کے نزدیک جائز کیا ہے اور ناجائز کیا، حلال کیا ہے اور حرام کیا، فرض کیا چیز کی گئی ہے اور منع کس چیز سے کیا گیا ہے، کس چیز سے خدا خوش ہوتا ہے اور کس چیز سے ناراض ہوتا ہے؟ مثلاً آپ روزی کمانے کیلئے نکلتے ہیں اس کام میں بہت سے مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں حرام کا مال کافی آسانی کے ساتھ آپکو مل سکتا ہے۔ اگر آپ نے خدا سے ڈر کر وہ مال نہ لیا اور صرف حلال کی روٹی کما کر لائے تو یہ جتنا وقت آپ نے روٹی کمانے پر صرف کیا یہ سب عبادت تھا اور روٹی گھر لا کر آپ نے خود کھائی اور اپنی بیوی بچوں اور خدا کے مقرر کئے ہوئے دوسرے حقداروں کو کھلائی، اس سب پر آپ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ آپ نے اگر راستہ چلتے میں کوئی پتھر یا کانٹا ہٹا دیا، اس خیال سے خدا کہ بندوں کو تکلیف نہ ہو تو بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر کسی بیمار کی خدمت کی، یا کسی اندھے کو راستہ چلایا، یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کی تو یہ بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر بات چیت کرنے میں جھوٹ سے، غیبت سے، بدگوئی اور دلآزاری سے پرہیز کیا اور خدا سے ڈر کر صرف حق بات کی تو جتنا وقت آپ نے بات چیت میں صرف کیا وہ سب عبادت میں صرف ہوا۔

پس خدا کی اصلی عبادت یہ ہیکہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے مرتے دم تک آپ خدا کے قانون پر چلیں اور اسکے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس عبادت کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ عبادت ہر وقت ہونی چاہئے۔ اس عبادت کی کوئی ایک شکل نہیں ہے ہر کام اور ہر شکل میں اسی کی عبادت ہونی چاہئے۔ جب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں وقت خدا کا بندہ ہوں اور فلاں وقت اسکا بندہ نہیں ہوں۔ تو آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں وقت خدا کی بندگی و عبادت کیلئے ہے اور فلاں وقت اسکی بندگی و عبادت کیلئے نہیں ہے۔

بھائیو! آپکو عبادت کا مطلب معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زندگی میں ہر وقت، ہر حال میں خدا کی بندگی و اطاعت کرنے کا نام ہی عبادت ہے، اب آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں ہیں؟ اسکا جواب یہ ہیکہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں، انکا مقصد آپکو اس بڑی عبادت کیلئے تیار کرنا ہے جو آپکو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں ادا کرنی چاہئے۔ نماز آپکو دن میں پانچ وقت یاد دلاتی ہیکہ تم اللہ بندے ہو، اسی کی بندگی تمہیں کرنی چاہئے۔ روزہ سال میں ایک میں مرتبہ پورے ایک مہینہ تک آپکو اسی بندگی کیلئے تیار کرتا ہے۔ زکوٰۃ آپکو بار بار توجہ دلاتی ہیکہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے یہ خدا کا عطیہ ہے، اسکو صرف اپنی نفس کی خواہشات پر صرف نہ کر دو بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو۔ حج دل پر خدا کی محبت اور بندگی کا ایسا نقش بٹھاتا ہیکہ ایک مرتبہ اگر وہ بیٹھ جائے تو تمام عمر اسکا اثر دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ اب سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اس قابل ہو گئے کہ آپکی ساری زندگی خدا کی عبادت بن جائے۔ تو بلا شبہ آپکی نماز، نماز ہے اور روزہ روزہ ہے، زکوٰۃ، زکوٰۃ ہے اور حج، حج ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تو محض رکوع اور سجدہ کرنے، بھوک پیاس کے ساتھ دن گذارنے، حج کی رسمیں ادا کر دینے اور زکوٰۃ کی رقم نکال دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ ان ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جسم، کہ اگر اس میں جان ہے اور وہ چلتا پھرتا اور کام کرتا ہے تو بلا شبہ ایک زندہ انسان ہے لیکن اگر اس میں

جان ہی نہیں تو وہ ایک مردہ لاش ہے۔ مردے کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک سب ہی کچھ ہوتے ہیں، مگر اس میں جان ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے تم اسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں یا روزے کی شرطیں پوری ادا کردی جائیں مگر خدا کا خوف اسکی محبت اور اسکی وفاداری و اطاعت نہ ہو جس کیلئے نماز اور روزہ فرض کیا گیا ہے تو وہ بھی ایک بے جان چیز ہوگی۔

آئندہ خطبات میں، میں آپکو تفصیل کیساتھ بتاؤں گا کہ جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک کس طرح اس بڑی عبادت کیلئے انسان کو تیار کرتی ہے اور اگر ان عبادتوں کو آپ سمجھ کر ادا کردیں، اور ان کا اصل مقصد پورا کرنے کی کوشش کریں تو اس سے آپکی زندگی پر کیا اثر پڑسکتا ہے؟

نماز

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں، میں نے آپکے سامنے عبادت کا اصل مطلب بیان کیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اسلام میں جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں انکے متعلق آپکو بتاؤں گا کہ یہ عبادتیں کس طرح آدمی کو اس بری اور اصلی عبادت کیلئے تیار کرتی ہیں جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو پیدا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز نماز ہے اور آج کے خطبے میں صرف اسی کے متعلق میں آپ سے کچھ بیان کروں گا۔

یہ آپکو معلوم ہو چکا ہیکہ عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں اور جب آپ خدا کے بندے ہی پیدا ہوئے ہیں تو آپ کسی وقت کسی حال میں بھی اسکی بندگی سے آزاد نہیں ہوسکتے۔ جس طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنے گھنٹے یا اتنے منٹوں کیلئے خدا کا بندہ ہوں اور باقی وقت میں اسکا بندہ نہیں، اسی طرح آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنا وقت خدا کی عبادت میں صرف کروں گا اور باقی اوقات میں مجھے آزادی ہیکہ جو چاہوں کروں۔ آپ تو خدا کے پیدائشی غلام ہیں۔ اس نے آپکو بندگی ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا آپکی ساری زندگی اسکی عبادت میں صرف ہونی چاہئے اور کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی آپکو اسکی عبادت سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

یہ بھی میں آپکو بتا چکا ہوں کہ عبادت کے معنی دنیا کے کام کاج سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانے اور اللہ اللہ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ دراصل عبادت کا مطلب یہ ہیکہ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کے قانون کے مطابق کریں۔ آپکا سونا اور جاگنا، آپکا کھانا اور پینا، آپکا چلنا اور پھرنا غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ آپ جب اپنے گھر میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور عزیز رشتہ داروں کے پاس ہوں تو انکے ساتھ اسطرح پیش آئیں جسطرح خدا نے حکم دیا ہے جب اپنے دوستوں میں ہنسیں اور بولیں، اس وقت بھی آپکو خیال رہیکہ ہم خدا کی بندگی سے آزاد نہیں ہیں۔ جب آپ روزی کمانے کیلئے نکلیں اور لوگوں سے لین دین کریں اس وقت بھی ایک

ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کے احکام کا خیال رکھیں اور کبھی اس حد سے نہ بڑھیں ۔ جو خدا نے مقرر کر دی ہے۔ جب آپ رات کے اندھیرے میں ہوں اور کوئی گناہ اسطرح کر سکتے ہوں کہ دنیا میں کوئی آپکو دیکھنے والا نہ ہو، اسوقت بھی آپکو یاد رہیکہ خدا آپکو دیکھ رہا ہے۔ اور ڈرنے کے لائق وہ ہے نہ کہ دنیا کے لوگ ۔ جب آپ جنگل میں تنہا جا رہے ہوں اور وہاں کوئی جرم اسطرح کر سکتے ہوں کہ کسی پولیس مین اور کسی گواہ کا کھٹکا نہ ہو اسوقت بھی آپ خدا کو یاد کر کے ڈر جائیں اور جرم سے باز رہیں ۔ جب آپ جھوٹ اور بے ایمانی اور ظلم سے بہت سا فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی آپکو روکنے والا نہ ہو۔ اس وقت بھی آپ خدا سے ڈریں اور اس فائدے کو اسلئے چھوڑ دیں کہ خدا اس سے ناراض ہوگا اور جب سچائی اور ایمان داری میں سراسر آپکو نقصان پہنچ رہا ہو اسوقت بھی آپ نقصان اٹھانا قبول کرلیں، صرف اسلئے کہ خدا اس سے خوش ہوگا ۔ پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور تسبیح ہلانا عبادت نہیں ہے ۔ بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے، ذکر الٰہی کا مطلب یہ نہیں ہیکہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو بلکہ اصل ذکر الٰہی یہ ہیکہ دنیا کے جھگڑوں میں بکھیڑوں میں پھنس کر بھی تمہیں ہر وقت خدا یاد رہے ۔ جو چیز خدا سے غافل کرنے والی ہو ان میں مشغول ہو اور نہ پھر خدا سے غافل ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں خدائی قانون کو توڑنے کے بیشمار مواقع، بڑے بڑے فائدوں کے لالچ اور نقصانات کا خوف لئے ہوئے آتے ہیں ۔ وہاں خدا کو یاد کرو اور اسکے قانون کی پیروی پر قائم رہو ۔ یہ اصلی یاد خدا۔ اسکا نام ہے ذکر الٰہی ۔ اسی ذکر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہیکہ :

(الجمعہ: ۱۰)

ترجمہ: یعنی ''نماز جب ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، خدا کے فضل، یعنی رزق حلال کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرو اور خدا کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو''۔

عبادت کا یہ مطلب ذہن میں رکھئے اور غور کیجئے کہ اتنی بڑی عبادت انجام دینے کیلئے کن چیزوں کی ضرورت ہے، اور نماز کس طرح وہ سب چیزیں انسان میں پیدا کرتی ہیں ۔

سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہیکہ آپکو بار بار یاد دلایا جاتا رہیکہ آپ خدا کے بندے ہیں اور اسی کی بندگی آپکو ہر وقت ہر کام میں کرنی ہے ۔ یہ یاد دلانے کی ضرورت اسلئے ہیکہ ایک شیطان آدمی کے نفس میں بیٹھا ہوا ہے جو ہر وقت کہتا رہتا ہیکہ تو میرا بندہ ہے اور لاکھوں کروڑوں شیطان ہر طرف دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہی کہہ رہا ہیکہ تو میرا بندہ ہے ۔ ان شیطانوں کا طلسم اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتا جب تک انسان کو دن میں کئی کئی بار یاد نہ دلایا جائے کہ تو کسی کا بندہ نہیں، صرف خدا کا بندہ ہے ۔ یہی کام نماز کرتی ہے، صبح اٹھتے ہی سب کاموں سے پہلے وہ آپکو یہی بات یاد دلاتی ہے ۔ پھر جب آپ دن کو اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اس

وقت پھر تین مرتبہ اسی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ اور جب آپ رات کو سونے کیلئے جاتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ کرتی ہے۔ یہ نماز کا پہلا فائدہ ہے اور قرآن میں اسی بناء پر نماز کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ خدا کی یاد ہے۔

پھر چونکہ آپکو اس زندگی میں ہر ہر قدم پر خدا کے احکام بجالانے ہیں، اسلئے یہ بھی ضروری ہیکہ آپ میں اپنا فرض پہچاننے کی صفت پیدا ہو اور اسکے ساتھ آپکو اپنا فرض مستعدی سے انجام دینے کی عادت بھی ہو۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کے معنی کیا ہیں، وہ تو کبھی احکام کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا اور جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو، مگر اسکی تربیت اتنی خراب ہو کہ فرض کو فرض جاننے کے باوجود اسے ادا کرنے کی پرواہ نہ کرے۔ اس سے کبھی یہ امید نہیں کی جاسکتی۔ کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جو ہزاروں احکام اسے دیئے جائیں گے انکو مستعدی کے ساتھ انجام دے گا۔

جن لوگوں کو فوج یا پولیس میں ملازمت کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان دونوں ملازمتوں میں ڈیوٹی کو سمجھنے اور اسے ادا کرنے کی مشق کسطرح کرائی جاتی ہے۔ رات دن میں کئی کئی بار بگل بجایا جاتا ہے۔ سپاہیوں کو ایک جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اسلئے ہیکہ انکو حکم بجالانے کی عادت ہو، اور ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہیکہ انکو حکم بجالانے کی عادت ہو اور ان میں سے جو لوگ ایسے سست اور نالائق ہوں کہ بگل کی آواز سن کر بھی گھر بیٹھے رہیں یا قواعد میں حکم کے مطابق حرکت نہ کریں انہیں پہلے ہی ناکارہ سمجھ کر ملازمت سے الگ کردیا جائے بس اسی طرح نماز بھی دن میں پانچ وقت بگل بجاتی ہے تا کہ اللہ کے سپاہی اسکو سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں اور ثابت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کو ماننے کیلئے مستعد ہیں۔ جو مسلمان اس بگل کو سن کر بھی بیٹھا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا وہ دراصل یہ ثابت کرتا ہیکہ وہ یا تو فرض کو پہچانتا ہی نہیں یا اگر پہچانتا ہے تو وہ اتنا نالائق اور ناکارہ ہیکہ خدا کی فوج میں رہنے کے قابل نہیں۔

اسی بناء پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو لوگ اذان کی آواز سن کر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے، میرا جی چاہتا ہیکہ جا کر انکے گھروں میں آگ لگادوں اور یہی وجہ ہیکہ حدیث میں نماز کو کفر اور اسلام کے درمیان وجہ تمیز قرار دیا گیا ہے۔ عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ میں کوئی ایسا شخص مسلمان ہی نہ سمجھا جاتا تھا جو نماز کیلئے جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو، حتی کہ منافقین بھی جنہیں اس امر کی ضرورت ہوتی تھی کہ انکو مسلمان سمجھا جائے۔ اس امر پر مجبور ہوتے تھے کہ نماز با جماعت میں شریک ہوں چنانچہ قرآن میں جس چیز پر منافقین کو ملامت کی گئی ہے وہ یہ نہیں ہیکہ وہ نماز نہیں پڑھتے، بلکہ یہ ہیکہ بادل ناخواستہ نہایت بددلی کے ساتھ نماز کیلئے اٹھتے ہیں۔

(النساء : ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی ایسے شخص کے مسلمان سمجھے جانے کی گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو۔ اسلئے کہ اسلام محض ایک اعتقادی چیز نہیں ہے بلکہ عملی چیز ہے، اور عملی چیز بھی ایسی کہ زندگی میں ہر وقت ہر لمحہ

ایک مسلمان کو اسلام پر عمل کرنے اور کفر وفسق سے لڑنے کی ضرورت ہے۔ایسی زبردست عملی زندگی کیلئے لازم ہیکہ مسلمان خدا کے احکام بجالانے کیلئے ہر وقت مستعد ہو۔ جو شخص اس قسم کی مستعدی نہیں رکھتا۔ وہ اسلام کیلئے قطعاً ناکارہ ہے۔ اسی لئے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی گئی تاکہ جو لوگ مسلمان ہونیکے مدعی ہیں انکا بار بار امتحان لیا جاتا رہیکہ وہ فی الواقع مسلمان ہیں یا نہیں اور فی الواقع اس عملی زندگی میں خدا کے احکام بجالانے کیلئے مستعد ہیں یا نہیں؟ اگر وہ خدائی پریڈ کا بگل سن کر جنبش نہیں کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا ہیکہ وہ اسلام کی عملی زندگی کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اسکے بعد انکو خدا کو ماننا اور رسول کا ماننا محض بے معنی ہے۔ اسی بناء پر قرآن میں ارشاد ہیکہ "انها لا کبیرة الا علے الخشعین" (البقرۃ: ۴۵) یعنی جو لوگ خدا کی اطاعت و بندگی کیلئے تیار نہیں ہیں، صرف انہی پر نماز گراں گذرتی ہے اور جس پر نماز گراں گذرے اور وہ خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہیکہ وہ خدا کی بندگی و اطاعت کیلئے تیار نہیں ہے۔

تیسری چیز خدا کا خوف ہے جسکے ہر آن دل میں تازہ رہنے کی ضرورت ہے، مسلمان اسلام کے مطابق عمل کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ خدا ہر وقت ہر جگہ اسے دیکھ رہا ہے، اسکی ہر حرکت کا خدا کو علم ہے۔ خدا اندھیرے میں بھی اسکو دیکھتا ہے، خدا تنہائی میں بھی اسکے ساتھ ہے، تمام دنیا کی سزاؤں سے آدمی بچ سکتا ہے مگر خدا کی سزا سے بچنا غیر ممکن ہے۔ یہی یقین آدمی کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے روکتا ہے۔ اسی یقین کے زور سے وہ حلال اور حرام کی ان حدود کا لحاظ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اللہ نے زندگی کے معاملات میں قائم کی ہیں۔ اگر یہ یقین کمزور ہو جائے تو مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کی طرح زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اللہ نے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی ہے۔ تاکہ وہ اس یقین کو دل میں بار بار مضبوط کرتی رہے۔ چنانچہ قرآن میں خود اللہ ہی نے نماز کی اس مصلحت کو بیان کر دیا کہ:

(العنکبوت : ۴۵)

ترجمہ: یعنی "نماز وہ چیز ہے جو انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے"۔

اسکی وجہ آپ غور کر کے خود سمجھ سکتے ہیں، مثلاً آپ نماز کیلئے پاک ہو کر اور وضو کر کے آتے ہیں، اگر آپ ناپاک ہوں اور غسل کئے بغیر آ جائیں یا آپکے کپڑے ناپاک ہوں اور انہی کو پہنے ہوئے آ جائیں یا آپکا وضو نہ ہو اور آپ یہ کہہ دیں کہ میں وضو کر کے آیا ہوں تو دنیا میں کون آپکو پکڑ سکتا ہے؟ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے! کیوں؟ اس لئے آپکو یقین ہیکہ خدا سے یہ گناہ نہیں چھپ سکتا۔ اسی طرح نماز میں جو چیز آہستہ پڑھی جاتی ہیں اگر انکو آپ نہ پڑھیں تو کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ مگر آپ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ کس لئے اسی لئے کہ آپکو یقین ہیکہ خدا سب کچھ سن رہا ہے اور آپکی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح آپ جنگل میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اپنے گھر میں جب تنہا ہوتے ہیں اس وقت بھی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ کوئی آپکو دیکھنے والا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ معلوم نہیں

ہوتا کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ آپ چھپ کر بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں، اور آپکو یقین ہیکہ خدا سے کسی جرم کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نماز کس طرح خدا کا خوف اور اسکے حاضر وناظر اور علیم وخبیر ہونے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی اور تازہ کرتی رہتی ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں آپ ہر وقت خدا کی عبادت اور بندگی کیسے کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ یہ خوف اور یہ یقین دل میں تازہ نہ ہوتا رہے۔ اگر اس چیز سے آپکا دل خالی ہو تو کیونکر ممکن ہیکہ رات دن جو ہزاروں معاملات آپکو دنیا میں پیش آتے ہیں، ان میں آپ خدا سے ڈر کر نیکی پر قائم رہیں گے اور بدی سے بچیں گے۔

چوتھی چیز جو عبادت الٰہی کیلئے نہایت ضروری ہے وہ یہ ہیکہ آپ خدا کے قانون سے واقف ہوں۔ اس لئے کہ اگر آپکو قانون کا علم ہی نہ ہو تو آپ اسکی پابندی کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ کام بھی نماز انجام دیتی ہے، نماز میں قرآن جو پڑھا تا جاتا ہے، یہ اسی لئے ہیکہ روزانہ آپ خدا کے احکام اور اسکے قانون سے واقف ہوتے رہیں، جمعہ کا خطبہ بھی اسی لئے ہیکہ آپکو اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہو۔ نماز با جماعت اور جمعہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہیکہ عالم اور عامی بار بار ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور لوگوں کو ہمیشہ خدا کے احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہے۔ اب یہ آپکی بدقسمتی ہیکہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ آپکو جمعہ کے خطبے بھی ایسے سنائے جاتے ہیں جن سے آپکو اسلام کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا اور نماز کی جماعتوں میں آکر نہ آپکے عالم اپنے جاہل بھائیوں کو کچھ سکھاتے ہیں اور نہ جاہل اپنے بھائیوں سے کچھ پوچھتے ہیں۔ نماز تو آپکو ان سب فائدوں کا موقع دیتی ہے۔ آپ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو نماز کا کیا قصور؟

پانچویں چیز یہ ہیکہ ہر مسلمان زندگی کے اس ہنگامے میں اکیلا نہ ہو، بلکہ سب مسلمان مل کر ایک مضبوط جماعت بنیں اور خدا کی عبادت، یعنی اسکے احکام کی پابندی کرنے اور اسکے قانون پر عمل کرنے اور اسکے قانون کو دنیا میں جاری کرنے کیلئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں ایک طرف مسلمان یعنی خدا کے فرمانبردار اور بغاوت کے درمیان کشمکش برپا ہے۔ باغی خدا کے قانون کو توڑتے ہیں اور اسکے خلاف دنیا میں شیطانی قوانین کو جاری کرتے ہیں۔ انکے مقابلہ میں اگر ایک ایک مسلمان تنہا ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اسکی یہ ہیکہ خدا کے فرمانبردار بندے مل کر اجتماعی طاقت سے بغاوت کا مقابلہ کریں اور خدائی قانون کو نافذ کریں۔ یہ اجتماعی طاقت پیدا کرنے والی چیز تمام چیزوں سے بڑھ کر نماز ہے۔ پانچ وقت کی جماعت، پھر جمعہ کا بڑا اجتماع، یہ سب مل کر مسلمانوں کو ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا دیتے ہیں اور ان میں وہ یکجہتی اور عملی اتحاد پیدا کر دیتے ہیں جو روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار بنانے کیلئے ضروری ہے۔

نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں آپکو بتا چکا ہوں کہ نماز کس طرح انسان کو اللہ کی عبادت یعنی بندگی و اطاعت کیلئے تیار کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے کہا تھا اس سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ جو شخص نماز کو محض فرض اور حکم الٰہی جان کر باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا رہے وہ اگر نماز کی دعاؤں کا مطلب نہ سمجھتا ہو تب بھی اسکے اندر خدا کا خوف اور اسکے حاضر و ناظر ہونے یقین اور اسکی عدالت میں ایک روز حاضر ہونے کا اعتقاد ہر وقت تازہ ہوتا رہتا ہے۔ اسکے دل میں یہ عقیدہ ہمیشہ زندہ رہتا ہیکہ وہ خدا کے سواء کسی کا بندہ نہیں اور خدا ہی اسکا اصلی بادشاہ اور حاکم ہے۔ اسکے اندر فرض شناسی کی عادت اور خدا کے احکام بجالانے کیلئے مستعدی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں وہ صفات خود بخود پیدا ہونے لگتی ہیں جو انسان کی ساری زندگی کو خدا کی بندگی و عبادت بنا دینے کیلئے ضروری ہیں۔

اب میں آپکو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر انسان اسی نماز کو سمجھ کر ادا کرے اور نماز پڑھتے وقت یہ بھی جانتا رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو اسکے خیالات اور اسکی عادات اور خصائل پر کتنا زبردست اثر پڑے گا۔ اسکے ایمان کی قوت کس قدر بڑھتی چلی جائے گی اور اسکی زندگی کا رنگ کیسا پلٹ جائے گا۔

سب سے پہلے اذان کو لیجئے۔ دن میں پانچ وقت آپکو یہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر	: "خدا سب سے بڑا ہے، خدا سب سے بڑا ہے"۔
اشھدان لاالہ الا اللہ	: "میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی بندگی کا حقدار نہیں"۔
اشھدان محمدارسول اللہ	: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔
حی علی الصلواۃ	: "آؤ نماز کیلئے"۔
حی علی الفلاح	: "آؤ اس کام کیلئے جس میں فلاح ہے"۔
اللہ اکبر اللہ اکبر	: "خدا سب سے بڑا ہے، خدا سب سے بڑا ہے"۔
لاالہ الا اللہ	: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

دیکھو یہ کیسی زبردست پکار ہے، ہر روز پانچ مرتبہ یہ آواز کس طرح تمہیں یاد دلاتی ہیکہ "زمین میں جتنے بڑے خدائی کے دعویدار نظر آتے ہیں سب جھوٹے ہیں، زمین و آسمان میں ایک ہی ہستی ہے جس کیلئے بڑائی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ آؤ اسکی عبادت کرو۔ اسی کی عبادت میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے" کون ہے جو اس آواز کو سن کر ہل نا جائے گا؟ کیونکر ممکن ہیکہ جس کے دل میں ایمان ہو وہ اتنی بڑی گواہی اور ایسی زبردست پکار سن کر اپنی جگہ بیٹھا رہے اور اپنے مالک کے آگے سر جھکانے کیلئے دوڑنے نہ پڑے۔

اس آواز کو سنکر تم اٹھتے ہو اور سب سے پہلے اپنا جائزہ لیکر دیکھتے ہو کہ میں پاک ہوں یا ناپاک؟ میرے کپڑے پاک ہیں یا نہیں؟ مجھے وضو ہے یا نہیں؟ گویا تمھیں اس بات کا احساس ہیکہ بادشاہ دو عالم کے دربار میں حاضری کا معاملہ دنیا کے دوسرے سب معاملات سے مختلف ہے۔ دوسرے کام تو ہر حال میں کئے جاسکتے ہیں مگر یہاں جسم اور لباس کی پاکی اور اسکی پاکی پر مزید طہارت (یعنی وضو) کے بغیر حاضری دینا سخت بے ادبی ہے۔ اس احساس کیساتھ تم پہلے اپنے پاک ہونے کا اطمینان کرتے ہو اور پھر وضو شروع کر دیتے ہیں۔ اس وضو کے دوران میں اگر تم اپنے اعضا دھونے کیساتھ ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہو اور فارغ ہو کر وہ دعا پڑھو جو رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے، تو محض تمہارے اعضاء ہی نہ دھلیں گے بلکہ ساتھ ساتھ تمہارا دل بھی دھل جائیگا۔ اس دعاء کے الفاظ یہ ہیں:

اَشهد ان لا الٰهٗ الّا الله وحده لاشریک له و اشهد انّ محمداً عبدُهٗ و رَسُولُهٗ، اللّٰهُمَّ اجعلنی من التوابین وَاجعلنی مِنَ الْمُتَطَهِّرِین.

ترجمہ: ''میں شہادت دیتا ہوں کہ اکیلے ایک لاشریک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ خدایا مجھے توبہ کرنے والوں میں شامل کر اور مجھے پاکیزگی اختیار کرنے والا بنا''۔

اسکے بعد تم نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہو، منہ قبلہ کے سامنے ہے پاک صاف ہو کر پادشاہ دو عالم کے دربار میں حاضر ہو۔ سب سے پہلے تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: اللہ اکبر ''اللہ سب سے بڑا ہے'' اس زبردست حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے تم کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہو، گویا دنیا و مافیہا سے دستبردار ہو رہے ہو۔ پھر ہاتھ باندھ لیتے ہو، گویا اب تم بالکل اپنے بادشاہ کے سامنے باادب دست بستہ کھڑے ہو۔ اسکے بعد تم کیا عرض معروض کرتے ہو:

سُبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمُکَ و تعالیٰ جدُّک وَلآ اِلٰهَ غیرُک. ''تیری پاکی بیان کرتا ہوں اے اللہ! اور وہ بھی تیری تعریف کے ساتھ بڑی برکت والا ہے تیرا نام۔ سب سے بلند و بالا ہے تیری بزرگی اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا''

اَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّطٰنِ الرَّجِیم ''خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں شیطان مردود کی دراندازی اور شرارت سے''

بِسمِ الرحمٰنِ الرَّحِیم شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے''

اَلحَمدُ لِله رَبِّ العٰلَمِین. ''تعریف خدا کیلئے ہے جو سارے جہان والوں کا پروردگار ہے'' الرحمٰنِ الرَّحِیم ''نہایت رحمت والا بڑا مہربان ہے'' مٰلِکِ یَومِ الدِّین. ''روز آخرت کا مالک ہے جس میں اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اسکے کئے کا پھل ملے گا'' ایاک نعبد و ایاک نستعین ''مالک! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' اھدنا الصراط المستقسیم ''ہم کو سیدھا راستہ دکھا'' صراط

الذین انعمت علیھم ''ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے فضل کیا اور انعام فرمایا'' غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ''جن پر تیرا غضب نازل نہیں ہوا اور جو بھٹکے ہوئے لوگ نہیں ہیں'' آمین۔ ''خدایا ایسا ہی ہو۔ مالک ہماری اس دعا کو قبول فرما۔''

اسکے بعد تم قرآن کی چند آیتیں پڑھتے ہو، جن میں سے ہر ایک میں امرت بھرا ہوا ہے، نصیحت ہے، عبرت، سبق، اور اسی راہ راست کی ہدایت ہے جس کیلئے سورہ فاتحہ میں تم دعا کر چکے تھے۔ مثلاً:

والعصرِ ان الانسان لفی خسر ''زمانہ کی قسم! انسان ٹوٹے میں ہے''

اِلَّا الذین آمنو و عملو الصٰلحٰت ''مگر ٹوٹے سے بچے ہوئے صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے'' و تواصو بالحق و تواصو بالصبر۔ ''اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی ہدایت کی اور حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے'' اس سے یہ سبق ملتا ہیکہ تباہی اور نامرادی سے انسان بس اسی طرح بچ سکتا ہیکہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور صرف اتنا ہی کافی نہیں بلکہ ایمان داروں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو دین پر قائم ہونے اور قائم رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہے۔

یا مثلاً: ''تو نے دیکھا کہ جو شخص روز جزا کو نہیں مانتا وہ کیسا آدمی ہوتا ہے''؟ ''ایسا ہی آدمی یتیم کو دھتکارتا ہے'' اور مسکین کو آپ کھانا کھلانا تو درکنار، دوسروں سے یہ بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ غریب کو کھانا کھلا دو'' ''تباہی ہے ایسے نمازیوں کیلئے جو (روز آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اسلئے) نماز سے غفلت کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو محض دکھاوے کیلئے اور انکے دل ایسے چھوٹے ہیں کہ ذرا ذرا سی چیزیں حاجت مندوں کو دیتے ہوئے بھی انکا دل دُکھتا ہے'' اس سے یہ سبق ملتا ہیکہ آخرت کا یقین اسلام کی جان ہے۔ اسکے بغیر آدمی کبھی اس راستہ پر چل ہی نہیں سکتا جو خدا کا سیدھا راستہ ہے۔

یا مثلاً: ویلٌ لِّکُلِ همزة لمزة ''افسوس ہے اس شخص کے حال پر جو لوگوں کی عیب چینی کرتا اور لوگوں پر آوازے کستا ہے'' الّذی جمعَ مالاً وَّ عدّ دہ ''روپیہ جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے''۔ یحسبُ اَنَّ مالهُ اَخلده ۔ اپنے دل میں سمجھتا ہیکہ اسکا مال ہمیشہ رہے گا''۔ کلَّا لیُنبذَنَّ فی الحُطمَةِ ۔ ''ہرگز نہیں، وہ ایک دن ضرور (مرے گا اور) حطمہ میں ڈالا جائیگا''۔ ومآ ادرٰک ما الحُطمَة ۔ ''اور تمہیں معلوم ہیکہ حطمہ کیا چیز ہے؟ نارُ اللہ المو قدةُ التی تطلعُ علی الافئِدۃ۔ ''اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جسکی لپیٹیں دلوں پر چھا جاتی ہیں''۔ انّھا علیھم موصدة فی عمد مُمدَّدة ''وہ اونچے اونچے ستون جیسے شعلوں کی صورت میں انکو گھیر لے گی''

غرض تم قرآن پاک کی جتنی سورتیں یا آیتیں نماز میں پڑھتے ہو وہ کوئی نہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نصیحت یا ہدایت تم کو دیتی ہیں اور تمہیں بتاتی ہیں کہ خدا کے احکام کیا ہیں جنکے مطابق تمہیں دنیا میں عمل کرنا چاہئے۔ ان ہدایتوں کے

پڑھنے کے بعد تم اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کرتے ہو، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے مالک کے آگے جھکتے ہو اور بار بار کہتے ہو "سبحان ربی العظیم. پاک ہے میرا پروردگار جو بڑا بزرگ ہے"۔ پھر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہو اور کہتے ہو سمع اللہ لمن حمدہ. "اللہ نے سن لی اس شخص کی بات جس نے اسکی تعریف بیان کی"۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہو اور بار بار کہتے ہو۔ سبحان ربی الاعلیٰ. پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے بالا و برتر ہے"۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے ہو اور نہایت ادب سے بیٹھ کر یہ پڑھتے ہو:

التحیات للہ والصلوات والطیبات. "ہماری سلامیاں، ہماری نمازیں، اور ساری پاکیزہ باتیں اللہ کیلئے ہیں"۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. "سلام آپ پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور برکتیں"۔ السلام علینا وعلے عباد اللہ الصالحین "سلامتی ہو ہم پر اور ایک اللہ کے سب نیک بندوں پر" اشھدُ ان لا الٰہ الاّ اللہُ واشھدُ انّ مُحمّدً عبدُہٗ و رسولُہٗ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں" یہ شہادت دیتے وقت تم شہادت کی انگلی اٹھاتے ہو، کیونکہ یہ نماز میں تمہارے عقیدے کا اعلان ہے اور اسکو زبان سے ادا کرتے وقت خاص طور پر توجہ اور زور دینے کی ضرورت ہے۔ اسکے بعد تم درود پڑھتے ہو۔ "خدایا رحمت فرما ہمارے سردار اور مولیٰ محمد اور انکی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیمؑ پر۔ یقیناً تو بہترین صفات والا اور بزرگ ہے اور خدایا برکت نازل فرما ہمارے سردار اور مولا محمدؐ اور انکی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر۔ یقیناً تو بہترین صفات والا اور بزرگ ہے" یہ درود پڑھنے کے بعد تم اللہ سے دعا کرتے ہو۔ "خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس گمراہ کرنے والے دجال کے فتنے سے جو زمین پر چھا جانے والا ہے، اور تیری پناہ مانگتا ہو زندگی اور موت کے فتنے سے۔ خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اعمال کی ذمہ داری اور قرض داری سے"

یہ دعا پڑھنے کے بعد تمہاری نماز پوری ہوگئی۔ اب تم مالک کے دربار سے واپس ہوتے ہو، اور واپس ہو کر پہلا کام کیا کرتے ہو؟ یہ کہ دائیں اور بائیں مڑ کر تمام حاضرین اور دنیا کی ہر چیز کیلئے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہو۔ السلام علیکم رحمۃ اللہ۔ گویا یہ بشارت ہے جو خدا کے دربار سے پلٹتے ہوئے تم دنیا کیلئے لائے ہو۔

یہ ہے وہ نماز جو صبح اٹھ کر دنیا کے کام کاج شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے کام کاج میں مشغول میں رہنے کے بعد دوپہر کو خدا کے دربار میں حاضر ہو کر دوبارہ یہی نماز ادا کرتے ہو۔ پھر چند گھنٹوں کے بعد تیسرے پہر کو یہی نماز پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے مشغول رہنے کے بعد شام کو اسی نماز کا اعادہ کرتے ہو۔ پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر سونے سے پہلے آخری مرتبہ اپنے مالک کے سامنے جاتے ہو۔ اس آخری نماز کا خاتمہ وتر پر ہوتا ہے۔ جسکی تیسری رکعت میں تم ایک عظیم الشان اقرار نامہ اپنے مالک کے سامنے پیش کرتے ہو۔ یہ دعائے

قنوت ہے۔ قنوت کے معنی ہیں خدا کے آگے ذلت وانکساری، اطاعت اور بندگی کا اقرار۔ یہ اقرار تم کن الفاظ میں کرتے ہو، ذرا غور سے سنو۔

''خدایا! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں تجھ سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، تجھ پر ایمان لاتے ہیں۔ تیرے ہی اوپر بھروسہ رکھتے ہیں اور ساری تعریف تیرے ہی لئے خاص کرتے ہیں'' ''ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں، ناشکری نہیں کرتے۔ ہم ہر اس شخص کو چھوڑ دیں گے اور اس سے تعلق کاٹ دیں گے جو تیرا نافرمان ہو'' ''خدایا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز اور سجدہ کرتے ہیں اور ہماری ساری کوششیں اور ساری دوڑ دھوپ تیری ہی خوشنودی کیلئے ہے'' ''ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تیرا سخت عذاب ایسے لوگوں پر پڑے گا جو کافر ہیں۔

برادران اسلام! غور کرو، جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اذان کی یہ آواز سنتا ہو اور سمجھتا ہو کہ کسی چیز کی شہادت دی جارہی ہے اور کیسے زبردست بادشاہ کے حضور میں بلایا جارہا ہے اور جو شخص ہر مرتبہ اس پکار کو سن کر اپنے سارے کام کاج کو چھوڑ دے اور اس ذات پاک کی طرف دوڑے جسے وہ اپنا اور تمام کائنات کا مالک جانتا ہے، اور جو شخص ہر نماز سے پہلے اپنے جسم اور دل کو وضو سے پاک کرے، اور جو شخص کئی کئی بار نماز میں وہ ساری باتیں سمجھ بوجھ کر ادا کرے جو ابھی آپکے سامنے میں نے بیان کی ہیں، کیونکر ممکن ہیکہ اسکے دل میں خدا کا خوف پیدا نہ، اسکو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرم نہ آئے؟ اسکی روح گناہوں اور بدکاریوں کے سیاہ دھبے لے کر بار بار خدا کے سامنے ہوتے ہوئے لرز نہ اٹھے؟ کس طرح ممکن ہیکہ آدمی نماز میں خدا کی بندگی کا اقرار، اسکی اطاعت کا اقرار، اسکے مالک یوم الدین ہونے کا اقرار کر کے جب اپنے کام کاج کی طرف واپس آئے تو جھوٹ بولے؟ بے ایمانی کرے؟ لوگوں کے حق مارے؟ رشوت کھائے اور کھلائے اور سود کھائے اور کھلائے، خدا کے بندوں کو آزار پہنچائے؟ فحش اور بے حیائی اور بدکاری کرے؟ اور پھر ان سب اعمال کا بوجھ لاد کر دوبارہ خدا کے سامنے حاضر ہونے اور انہی سب باتوں کا اقرار کرنے کا جرأت کر سکے؟ ہاں! یہ کیسے ممکن ہیکہ تم جان بوجھ کر خدا سے چھتیس مرتبہ اقرار کرو کہ ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر خدا کے سوا دوسروں کی بندگی اور دوسروں کے آگے مدد کیلئے ہاتھ پھیلاؤ؟ ایک بار اقرار کر کے خلاف ورزی کرو گے تو دوسری مرتبہ خدا کے دربار میں جاتے ہوئے تمہارا ضمیر ملامت کرے گا اور شرمندگی پیدا ہوگی۔ دوسری بار خلاف ورزی کرو گے تو اور زیادہ شرم آئے گی اور زیادہ دل اندر سے لعنت بھیجے گا، تمام عمر یہ کیسے ہوسکتا ہیکہ روزآنہ پانچ پانچ مرتبہ نماز پڑھو اور پھر بھی تمہارے اعمال درست نہ ہوں؟ تمہارے اخلاق کی اصلاح نہ ہو؟ اور تمہاری زندگی کی کایا نہ پلٹے؟ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے نماز کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہیکہ۔ ترجمہ: یقیناً نماز انسان کو بے حیائی اور بدکاری سے روکتی ہے'' لیکن اگر کوئی ایسا ہیکہ اپنی زبردست اصلاح کرنے والی چیز سے بھی اسکی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ اسکی طینت کی خرابی ہے، نماز کی خرابی نہیں، پانی اور صابن کا قصور نہیں، اسکی وجہ کوئلے کی اپنی سیاہی ہے۔

بھائیو! آپکی نمازوں میں ایک بہت بڑی کمی ہے اور وہ یہ ہیکہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اسکو سمجھتے نہیں۔ اگر آپ تھوڑا سا وقت صرف کریں تو ان ساری دعاؤں کا مطلب اردو میں، یا اپنی مادری زبان میں یاد کر سکتے ہیں، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو کچھ آپ پڑھیں گے اسے سمجھتے جائیں گے۔

نماز با جماعت

برادران اسلام! پچھلے خطبوں میں تو میں نے آپکے سامنے صرف نماز کے فائدے بیان کئے تھے جن سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ یہ عبادت بجائے خود کیسی زبردست چیز ہے، کس طرح انسان میں بندگی کا کمال پیدا کرتی ہے اور کس طرح اسکو بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل بناتی ہے؟ اب میں آپکو نماز با جماعت کے فائدے بتانا چاہتا ہوں، جنہیں سن کر آپ اندازہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے کس طرح ایک ہی چیز میں ہمارے ساری نعمتیں جمع کردی ہیں۔ اول تو نماز خود ہی کیا کم تھی کہ اسکے ساتھ جماعت کا حکم دے کر اسکو دو آتشہ کردیا گیا، اور اسکے اندر وہ طاقت بھردی گئی جو انسان کی کایا پلٹ دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

پہلے آپ سے یہ کہہ چکا ہوں کہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپکو خدا بندہ سمجھنا اور فرمانبردار غلام کیطرح مالک کی مرضی کا تابع بن کر رہنا، اور مالک کا حکم بجالانے کیلئے ہر وقت تیار رہنا اصلی عبادت ہے، اور نماز اسی عبادت کیلئے انسان کو تیار کرتی ہے، یہ بھی آپکو بتا چکا ہوں کہ اس عبادت کیلئے انسان میں جتنی صفات کی ضرورت ہے وہ سب نماز پیدا کرتی ہے۔ بندگی کا احساس، خدا اور اسکے رسولؐ اور اسکی کتاب پر ایمان، آخرت کا یقین، خدا کا خوف، خدا کو عالم الغیب جاننا اور اسکو ہر وقت اپنے سے قریب سمجھنا، خدا کی فرمانبرداری کیلئے ہر حال میں مستعد رہنا، خدا کے احکام سے واقف ہونا، یہ اور ایسی تمام صفتیں "نماز" آدمی کے اندر پیدا کردیتی ہے جو اسکو صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بنانے کیلئے ضروری ہیں۔

مگر آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپکو معلوم ہوجائے گا کہ انسان اپنی جگہ خواہ کتنا ہی کامل ہو، وہ خدا کی بندگی کا پورا حق ادا نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ دوسرے بندے بھی اسکے مددگار نہ ہوں، خدا کے تمام احکام بجا نہیں لاسکتا جب تک کہ وہ بہت سے لوگ جنکے ساتھ رات دن اسکا رہنا سہنا ہے، جن سے ہر وقت اسکو معاملہ پیش آتا ہے، اس فرمانبرداری میں اسکا ساتھ نہ دیں۔ آدمی دنیا میں اکیلا تو پیدا نہیں ہوا ہے، نہ اکیلا رہ کر کوئی کام کرسکتا ہے، اسکی ساری زندگی اپنے بھائی بندوں، دوستوں اور ہمسایوں، معاملہ داروں اور زندگی کے بے شمار ساتھیوں سے ہزاروں قسم کے تعلقات میں جکڑی ہوئی ہے اللہ کے احکام بھی تنہا ایک آدمی کیلئے نہیں ہیں بلکہ انہی تعلقات کو درست کرنے کیلئے ہیں۔ اب اگر یہ سب لوگ خدا کے احکام بجالانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور ایک دوسرے کی مدد

کریں، تو سب فرمانبردار بندے بن سکتے ہیں، اور اگر سب نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں، یا انکے تعلقات اس قسم کے ہوں کہ خدا کے احکام بجالانے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں، تو اکیلے آدمی کیلئے ناممکن ہیکہ وہ اپنی زندگی میں خدا کے قانون پر ٹھیک ٹھیک عمل کر سکے۔

اسکے ساتھ جب آپ قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو آپکو معلوم ہوگا کہ خدا کا حکم صرف یہی نہیں ہیکہ آپ خود اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے نہیں، بلکہ ساتھ ساتھ یہ حکم بھی ہیکہ دنیا کو خدا کا مطیع و فرمانبردار بنائیں۔ دنیا میں خدا کے قانون کو پھیلائیں اور جاری کریں۔ شیطان کا قانون جہاں جہاں چل رہا ہو اسکو مٹادیں اور اسکی جگہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے قانون کی حکومت قائم کریں۔ یہ زبردست خدمت جو اللہ نے آپکے سپرد کی ہے اسکو ایک اکیلا مسلمان انجام نہیں دے سکتا۔ اور اگر کروڑوں مسلمان بھی ہوں مگر الگ الگ رہ کر کوشش کریں تب بھی وہ شیطان کے بندوں کی منظم طاقت کو نیچا نہیں دکھا سکتے۔ اسکے لئے بھی ضرورت ہیکہ مسلمان ایک جتھا بنیں، ایک دوسرے کے مددگار ہوں، ایک دوسرے کی پشت پناہ بن جائیں اور سب مل کر ایک ہی مقصد کیلئے جدوجہد کریں۔

پھر زیادہ گہری نظر سے جب آپ دیکھیں گے تو یہ بات آپ پر کھلے گی کی اتنے بڑے مقصد کیلئے فقط مسلمانوں کا مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسکی بھی ضرورت ہیکہ یہ مل جانا بالکل صحیح طریق پر ہو۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت اس طرح بنے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انکے تعلقات ٹھیک ٹھیک جیسے ہونے چاہئیں ویسے ہی ہوں۔ انکے آپس کے تعلق میں کوئی خرابی نہ رہنے پائے۔ ان میں پوری یکجہتی ہو۔ وہ ایک سردار کی اطاعت کریں۔ اسکے حکم پر حرکت کرنے کی عادت ان میں پیدا ہو۔ اور وہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنے سردار کی فرمانبرداری انہیں کس طرح اور کہاں تک کرنی چاہئے اور نافرمانی کے مواقع کون سے ہیں؟

اب سب باتوں کو نظر میں رکھ کر دیکھئے کہ نماز باجماعت کس طرح یہ سارے کام کرتی ہے۔

حکم ہیکہ اذان کی آواز سن کر اپنے کام چھوڑ دو اور مسجد کی طرف آجاؤ۔ یہ طلبی کی پکار سن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا اٹھنا اور ایک مرکز پر جمع ہوجانا انکے اندر وہی کیفیت پیدا کرتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوجی سپاہی جہاں بھی ہوں بگل کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر بلا رہا ہے۔ اس طلبی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال۔ اور اس خیال کے مطابق سب ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی اپنی اپنی جگہ سے اس آواز پر دوڑ پڑتے ہیں اور ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔ فوج میں یہ طریقہ کس لئے اختیار کیا گیا ہے؟ اسی لئے کہ اول تو ہر ہر سپاہی میں الگ الگ حکم ماننے اور اس پر مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی خصلت اور عادت پیدا ہو، اور پھر ساتھ ہی ساتھ ایسے تمام فرمانبردار سپاہی مل کر ایک گروہ، ایک جتھا، ایک ٹیم بھی بن جائیں، اور ان میں یہ عادت پیدا ہوجائے کہ کمانڈر کے حکم پر ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ سب جمع ہوجایا کریں۔ تاکہ جب کوئی مہم پیش آجائے تو ساری فوج ایک آواز پر ایک مقصد کیلئے اکٹھی ہو کر کام

کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ سارے سپاہی اپنی اپنی جگہ تو بڑے تیس مار خاں ہوں مگر جب کام کے موقع پر انکو پکارا جائے تو وہ جمع ہو کر نہ لڑ سکیں۔ بلکہ ایک اپنی مرضی کے مطابق جدھر منہ اٹھے چلا جائے۔ ایسی حالت اگر کسی فوج کی ہو تو اسکے ہزار بہادر سپاہیوں کو غنیم کے پچاس سپاہیوں کا ایک دستہ الگ الگ پکڑ کے ختم کر سکتا ہے۔ بس اسی اصول پر مسلمانوں کیلئے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہیکہ جو مسلمان جہاں اذان کی آواز سنے، سب کام کاج چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رخ کرے، تا کہ سب مسلمان مل کر اللہ کی فوج بن جائیں۔ اس اجتماع کی مشق انکو روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری فوجوں سے بڑھ کر سخت ڈیوٹی اس خدائی فوج کی ہے۔ دوسری فوجوں کیلئے تو مدتوں میں کبھی ایک مہم پیش آتی ہے اور اسکی خاطر انکو یہ ساری فوجی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ مگر اس خدائی فوج کو ہر وقت شیطانی طاقتوں کے ساتھ لڑنا ہے اور ہر وقت اپنے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرنی ہے۔ اسلیئے اسکے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہیکہ اسے روزانہ صرف پانچ مرتبہ خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی چھاؤنی یعنی مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ محض اذان کا فائدہ تھا۔ اب آپ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور صرف اس جمع ہونے میں بے شمار فائدے ہیں۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے تو آپ نے ایک دوسرے کو دیکھا، پہچانا، ایک دوسرے سے واقف ہوئے۔ دیکھنا، پہچاننا، واقف ہونا، کس حیثیت سے ہے؟ اس حیثیت سے کہ آپ سب خدا کے بندے ہیں، ایک رسولؐ کے پیرو ہیں، ایک کتاب کے ماننے والے ہیں۔ ایک ہی مقصد آپ سب کی زندگی کا مقصد ہے۔ اسی ایک مقصد کو پورا کرنے کیلئے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کو یہاں سے واپس جا کر بھی آپکو پورا کرنا ہے، اس قسم کی آشنائی، اس قسم کی واقفیت آپ میں خود بخود یہ خیال پیدا کر دیتی ہیکہ آپ سب ایک قوم ہیں، ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں، ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ دنیا میں آپکی اغراض، آپکے مقاصد، آپکے نقصانات اور آپکے فوائد، سب مشترک ہیں، اور آپکی زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

پھر آپ جو ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ظاہر ہیکہ آنکھیں کھول کر ہی دیکھیں گے اور یہ دیکھنا بھی دشمن کو دیکھنا نہیں بلکہ دوست کا دوست کو اور بھائی کا بھائی کو دیکھنا ہوگا۔ اس نظر سے جب آپ دیکھیں گے کہ میرا کوئی بھائی پھٹے پرانے کپڑوں میں ہے، کوئی پریشانی صورت ہے، کوئی فاقہ زدہ چہرہ لئے ہوئے آیا ہے، کوئی معذور، لنگڑا، لولا یا اندھا ہے تو خواہ مخواہ آپکے دل میں ہمدردی پیدا ہوگی۔ آپ میں سے جو خوش حال ہیں وہ غریبوں اور بے کسوں پر رحم کھائیں گے۔ جو بد حال ہیں انہیں امیروں تک پہنچنے اور ان سے اپنا حال کہنے کی ہمت پیدا ہوگی۔ کسی کے متعلق معلوم ہوگا کہ بیمار ہے یا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے اس لئے مسجد میں نہیں آیا تو اسکی عیادت کو جانے کا خیال پیدا ہوگا۔ کسی کے مرنے کی خبر ملی تو سب مل کر اسکے لئے نماز جنازہ پڑھیں گے اور غم زدہ عزیزوں کے غم میں شریک ہوں گے۔ یہ سب باتیں آپکی باہمی محبت کو بڑھانے والی اور ایک دوسرے کا مددگار بنانے والی ہیں۔

اسکے بعد اور ذرا غور کیجئے یہاں جو آپ جمع ہوئے ہیں تو ایک پاک جگہ پاک مقصد کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ یہ چوروں اور شرابیوں اور جوئے بازوں کا اجتماع نہیں ہیکہ سب کے دل میں ناپاک ارادے بھرے ہوئے ہوں۔ یہ تو اللہ کے بندوں کا اجتماع ہے۔ اللہ کے عبادت کیلئے، اللہ کے گھر میں سب اپنے خدا کے سامنے بندگی کا اقرار کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر اول تو ایماندار آدمی میں خود ہی اپنے گناہوں پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے لیکن اگر اس نے کوئی گناہ اپنے دوسرے بھائی کے سامنے کیا تھا، اور وہ خود بھی یہاں مسجد میں موجود ہے تو محض اسکی نگاہوں کا سامنا ہو جانا اسکے لئے کافی ہیکہ گناہگار اپنے دل میں کٹ کٹ جائے اور اگر کہیں مسلمانوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا جذبہ بھی موجود ہو، اور وہ جانتے ہوں کہ ہمدردی و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کی اصلاح کس طرح کرنی چاہئے، تو یقین جانئے کہ یہ اجتماع انتہائی رحمت و برکت کا موجب ہوگا۔ اسطرح سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کی خرابیوں کو دور کریں گے، ایک دوسرے کی کمی کو پوری کریں گے۔ اور پوری جماعت نیکوں اور صالحوں کی جماعت بنتی چلی جائے گی۔

یہ صرف مسجد میں جمع ہونے کی برکتیں ہیں۔ اسکے بعد یہ دیکھئے کہ جماعت کیساتھ نماز ادا کرنے میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں آپ سب ایک صف میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوتے ہیں نہ کوئی بڑا ہے چھوٹا۔ نہ کوئی اونچے درجے کا ہے نہ نیچے درجے کا۔ خدا کے دربار میں خدا کے سامنے سب ایک درجے میں ہیں۔ کسی کا ہاتھ لگنے اور کسی کے چھو جانے سے کوئی ناپاک نہیں ہوتا۔ سب پاک ہیں، اسلیئے کہ سب انسان ہیں، ایک خدا کے بندے ہیں اور ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں، آپ میں خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں اور زبانوں بھی کوئی فرق نہیں۔ کوئی سید ہے، کوئی پٹھان ہے، کوئی راجپوت ہے، کوئی جاٹ ہے، کوئی کسی ملک کا رہنے والا ہے اور کوئی کسی ملک کا، کسی کی زبان کچھ ہے اور کسی کی کچھ، مگر سب ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ سب ایک قوم ہیں۔ حسب نسب اور برادریوں اور قوموں کی تقسیم سب جھوٹی ہے۔ سب سے بڑا تعلق آپکے درمیان خدا کی بندگی و عبادت کا تعلق ہے۔ اس میں جب آپ سب ایک ہیں تو پھر کسی معاملہ میں بھی کیوں الگ ہوں؟

پھر جب آپ ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہیکہ ایک فوج اپنے بادشاہ کے سامنے خدمت کیلئے کھڑی ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے اور مل کر ایک ساتھ حرکت کرنے سے آپکے دلوں میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپکو یہ مشق کرائی جاتی ہیکہ خدا کی بندگی میں اسطرح ایک ہو جاؤ کہ سب کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں اور سب کے پاؤں ایک ساتھ چلیں۔ گویا آپ دس بیس یا سو یا ہزار آدمی نہیں ہیں بلکہ مل کر ایک آدمی کی طرح بن گئے ہیں۔

اس جماعت اور اس صف بندی کے بعد آپ کیا کرتے ہیں؟ یک زبان ہو کر اپنے مالک سے عرض کرتے ہیں کہ ”ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“ ”ہم کو سیدھے راستے پر چلا“ ”ہمارے

پروردگار تیرے ہی لئے حمد ہے'' ''ہم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر'' پھر نماز ختم کرکے آپ ایک دوسرے کیلئے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ آپ سب ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ سب مل ایک ہی مالک سے سب کیلئے بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔ آپ اکیلے اکیلے نہیں ہیں۔ آپ میں سے کوئی تنہا سب کچھ اپنے لئے ہی نہیں مانگتا۔ ہر ایک کی یہی دعا ہیکہ سب پر خدا کا فضل ہو، سب کو ایک ہی سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق بخشی جائے، اور سب خدا کی سلامتی میں شامل ہوں۔ اس طرح یہ نماز آپکے دلوں کو جوڑتی ہے آپکے خیالات میں یکسانی پیدا کرتی ہے اور آپ میں خیر خواہی کا تعلق پیدا کرتی ہے۔

مگر دیکھ لیجئے کہ جماعت کی نماز آپ کبھی امام کے بغیر نہیں پڑھتے۔ دو آدمی بھی مل کر پڑھیں گے تو ایک امام ہوگا اور دوسرا مقتدی۔ جماعت کھڑی ہو جائے تو اس سے الگ ہو کر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی نماز ہوتی ہی نہیں۔ حکم ہیکہ جو آتا جائے اسی امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوتا جائے۔ یہ سب چیزیں محض نماز ہی کیلئے نہیں ہیں بلکہ ان میں دراصل آپکو یہ سبق دیا گیا ہے مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہے تو اسطرح جماعت بن کر رہو، تمہاری جماعت، جماعت ہی نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ تمہارا کوئی امام نہ ہو اور جماعت بن جائے تو اس سے الگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری زندگی مسلمان کی زندگی نہیں رہی۔

صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جماعت میں امام اور مقتدیوں کا تعلق اس طور پر قائم کیا گیا جس سے آپکو معلوم ہو جائے کہ اس چھوٹی مسجد کے باہر اس عظیم الشان مسجد میں جس نام ''زمین'' ہے آپکے امام کی حیثیت کیا ہے؟ اسکے فرائض کیا ہیں، اسکے حقوق کیا ہیں، آپکو کس طرح اسکی اطاعت کرنی چاہئے۔ اور کن باتوں میں کرنی چاہئے۔ اور اگر وہ غلطی کرے تو آپ کیا کریں، کہاں تک آپکو غلطی میں بھی اسکی پیروی کرنی چاہئے، کہاں آپ اسکو ٹوکنے کے مجاز ہیں، کہاں آپ اس سے مطالبے کرسکتے ہیں کہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور کس موقع پر آپ اسکو امامت سے ہٹا سکتے ہیں؟ یہ گویا چھوٹے پیمانے پر ایک بڑی سلطنت کو چلانے کی مشق ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ آپ سے ہر چھوٹی مسجد میں کرائی جاتی ہے۔

یہاں اتنا موقع نہیں ہیکہ میں ان ساری تفصیلات کو بیان کروں، مگر چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں۔

حکم ہیکہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو پرہیز گار ہو، علم میں زیادہ ہو قرآن زیادہ جانتا ہو، اور سن رسیدہ بھی ہو۔ حدیث میں ترتیب بھی بتادی گئی ہیکہ ان صفات میں کونسی صفت کس صفت پر مقدم ہے۔ یہیں یہ تعلیم بھی دے گئی ہیکہ سردار قوم کے انتخاب میں کن باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔

حکم ہیکہ امام ایسا شخص نہ ہو جس سے جماعت کی اکثریت ناراض ہو۔ یوں تو تھوڑے بہت مخالف کس کے نہیں ہوتے لیکن اگر جماعت میں زیادہ تر آدمی کسی شخص سے نفرت رکھتے ہوں تو اسے امام نہ بنایا جائے۔ یہاں پھر

سردارِ قوم کے انتخاب کا ایک قاعدہ بتا دیا گیا۔

حکم ہیکہ جو شخص جماعت کا امام بنایا جائے وہ نماز ایسی پڑھائے کہ جماعت کے ضعیف ترین آدمی کو بھی تکلیف نہ ہو۔ محض جوان، مضبوط، تندرست اور فرصت والے آدمیوں کو پیشِ نظر رکھ کر لمبی قرات اور لمبے لمبے رکوع اور سجدے نہ کرنے لگے، بلکہ یہ بھی دیکھے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہیں، بیمار بھی ہیں، کمزور بھی ہیں اور ایسے مشغول بھی ہیں جو جلدی نماز پڑھ کر اپنے کام پر واپس جانا چاہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس معاملہ میں یہاں تک رحم اور شفقت کا نمونہ پیش فرمایا ہیکہ نماز پڑھاتے وقت کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو مختصر کر دیتے تھے تا کہ اگر بچے کی ماں جماعت میں شریک ہے تو اسے تکلیف نہ ہو۔ یہ گویا سردارِ قوم کو تعلیم دی گئی ہیکہ جب وہ سردار بنایا جائے تو قوم کے اندر اسکا طرزِ عمل کیسا ہونا چاہئے؟

حکم ہیکہ امام کو اگر نماز پڑھاتے میں کوئی حادثہ پیش آجائے جسکی وجہ سے وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے تو فوراً ہٹ جائے اور اپنی جگہ پیچھے کے آدمی کو کھڑا کر دے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ سردارِ قوم کا بھی یہی فرض ہیکہ جب وہ سرداری کے قابل اپنے آپکو نہ پائے تو اسے خود ہٹ جانا چاہئے۔ اور دوسرے اہل آدمی کیلئے جگہ خالی کر دینی چاہئے۔ اس میں نہ شرم کا کچھ کام ہے اور نہ خود غرضی کا۔

حکم ہیکہ امام کے فعل کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ اسکی حرکت سے پہلے حرکت کرنا سخت ممنوع ہے، یہاں تک کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں چلا جائے اسکے متعلق حدیث میں آیا ہیکہ وہ گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ یہاں گویا قوم کو سبق دیا گیا ہیکہ اسے اپنے سردار کی اطاعت کسطرح کرنی چاہئے؟

امام اگر نماز میں غلطی کرے، مثلاً جہاں اسے بیٹھنا چاہئے تھا وہاں کھڑا ہو جائے یا جہاں کھڑا ہونا چاہئے تھا وہاں بیٹھ جائے تو حکم ہیکہ سبحان اللہ کہہ کر اسے غلطی پر متنبہ کر دو، سبحان اللہ کے معنی یہ ہیں "اللہ پاک ہے" امام کی غلطی پر سبحان اللہ کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ غلطی سے تو صرف اللہ ہی پاک ہے تم انسان ہو، تم سے بھول چوک ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ طریقہ ہے امام کو ٹوکنے کا۔ اور جب اسطرح اسے ٹوکا جائے تو اسکو لازم ہیکہ بلا کسی شرم و لحاظ کے اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ البتہ اگر ٹوکے جانے کے باوجود امام کو یقین ہو کہ اس نے صحیح فعل کیا ہے تو وہ اپنے یقین کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں جماعت کا کام یہ ہیکہ اس عمل کو غلط جاننے کے باوجود اسکا ساتھ دے۔ نماز ختم ہونے کے بعد مقتدی حق رکھتے ہیں کہ امام پر اسکی غلطی ثابت کریں اور نماز دوبارہ پڑھانے کا اس سے مطالبہ کریں۔

امام کیساتھ جماعت کا یہ برتاؤ صرف ان حالات کیلئے ہے جبکہ غلطی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہو۔ لیکن اگر امام سنتِ نبویؐ کے خلاف نماز کی ترکیب بدل دے یا نماز میں قرآن کو جان بوجھ کر غلط پڑھے یا نماز پڑھاتے ہوئے کفر و

شرک یا صریح گناہ کا ارتکاب کرے تو جماعت کا فرض ہیکہ اسی وقت نماز توڑ کر اس امام سے الگ ہو جائے۔

یہ سب ہدایتیں ایسی ہیں جن میں پوری تعلیم دے دی گئی ہیکہ تم کو اپنی قومی زندگی میں اپنے سردار کے ساتھ کسطرح پیش آنا چاہئے؟

برادران اسلام! یہ فوائد جو میں نے نماز با جماعت کے بیان کیے ہیں ان سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک عبادت میں، جو دن بھی میں پانچ مرتبہ صرف چند منٹ کیلئے ادا کی جاتی ہے، کسطرح دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں آپ کیلئے جمع کردی ہیں؟ کسطرح یہی ایک چیز آپکو تمام سعادتوں سے مالا مال کر دیتی ہے اور کسطرح یہ آپکو اللہ کی غلامی اور دنیا کی حکمرانی کیلئے تیار کرتی ہے؟ اب آپ ضرور سوال کریں گے کہ جب نماز ایسی چیز ہے تو جو فائدے تم اسکے بیان کرتے ہو یہ حاصل کیوں نہیں ہوتے؟ اسکا جواب انشا اللہ آئندہ خطبہ میں دوں گا۔

نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں؟

برادران اسلام! آج کے خطبے میں مجھے آپکو یہ بتانا ہیکہ جس نماز کے اس قدر فائدے میں نے کئی خطبوں میں مسلسل آپکے سامنے بیان کیے ہیں وہ اب کیوں، وہ فائدے نہیں دے رہی ہے؟ کیا بات ہیکہ آپ نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر بھی آپکی زندگی نہیں سدھرتی؟ پھر بھی آپکے اخلاق پاکیزہ کیوں نہیں ہوتے؟ پھر بھی آپ ایک زبردست خدائی فوج نہیں بنتے؟ پھر بھی کفار آپ پر غالب ہیں؟ پھر بھی آپ دنیا میں تباہ حال اور نکبت زدہ ہیں؟

اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہو سکتا ہیکہ اول تو آپ نماز پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اس طریقہ سے نہیں پڑھتے جو خدا اور رسولؐ نے بتایا ہے اسلئے ان فائدوں کی توقع آپ نہیں کر سکتے جو مومن کو معراج کمال تک پہنچانے والی نماز سے پہنچنے چاہئیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ صرف اتنا سا جواب آپکو مطمئن نہیں کر سکتا، اسلئے ذرا تفصیل کے ساتھ آپکو یہ بات سمجھاؤں گا۔

یہ گھنٹہ (وقت بتانے والی گھڑی جو دیوار پر آویزاں کی جاتی ہے) جو آپکے سامنے لٹک رہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں بہت سے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، جب اسکو کوک (جسے عوام چابی دینا کہتے ہیں) دی جاتی ہے تو سب پرزے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور انکے حرکت کرنیکے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر انکی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے، یعنی گھنٹے کی دونوں سوئیاں چل کر ایک ایک سکنڈ اور ایک ایک منٹ بتانے لگتی ہیں۔ اب آپ ذرا غور کی نگاہ سے دیکھئے، گھنٹے کی مشین میں وہ سب پرزے جمع کیے گئے جو صحیح وقت بتانے کیلئے ضروری تھے پھر ان سب کو اسطرح جوڑا گیا کہ سب مل کر باقاعدہ حرکت کریں اور ہر پرزہ وہی کام اور اتنا

ہی کام کرتا چلا جائے جتنا صحیح وقت بتانے کیلئے اسکو کرنا چاہئے۔ پھر کوک دینے کا قاعدہ مقرر کیا گیا تا کہ ان پرزوں کو ٹھہرنے نہ دیا جائے اور تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد انکو حرکت دی جاتی رہے اسطرح جب تمام پرزوں کو ٹھیک ٹھیک جوڑا گیا اور انکو کوک دی گئی تب کہیں جا کر یہ گھنٹہ اس قابل ہوا کہ وہ مقصد پورا کرے جس کیلئے یہ بنا گیا ہے۔ اگر آپ اسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا۔ اگر آپ کوک دیں لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کیلئے مقرر کیا گیا ہے تو یہ بند ہو جائے گا یا چلے گا بھی تو صحیح وقت نہ بتائے گا۔ اگر آپ اسکے بعض پرزے نکال ڈالیں اور پھر کوک دیں تو اس کوک سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر آپ اسکے بعض پرزوں کو نکال کر اسکی جگہ سنگر مشین کے پرزے لگا دیں اور پھر کوک دیں تو یہ نہ وقت بتا سکے گا اور نہ کپڑا ہی سیے گا۔ اگر آپ اسکے سارے پرزے اسکے اندر ہی رہنے دیں لیکن انکو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا۔ کہنے کو سارے پرزے اسکے اندر موجود ہوں گے مگر محض پرزوں کے موجود رہنے سے وہ مقصد حاصل نہ ہوگا جس کیلئے گھنٹے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ انکی ترتیب اور آپس کا تعلق آپ نے توڑ دیا ہے جسکی وجہ سے وہ مل کر حرکت نہیں کرتے۔ یہ سب صورتیں جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں ان میں اگرچہ گھنٹے کی ہستی اور اسکو کوک دینے کا فعل دونوں بیکار ہو جائیں گے۔ لیکن دور سے دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گھنٹہ نہیں ہے یا آپ کوک نہیں دے رہے ہیں۔ وہ تو یہی کہے گا کہ صورت بالکل گھنٹے جیسی ہے، اور یہی امید کرے گا کہ گھنٹہ کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہونا چاہئے۔ اسی طرح دور سے جب وہ آپکو کوک دیتے ہوئے دیکھے تو یہی خیال کرے گا کہ آپ واقعی گھنٹے کو کوک دے رہے ہیں اور یہی توقع کرے گا کہ گھنٹے کو کوک دینے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہونا چاہئے۔ لیکن یہ توقع پوری کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ گھنٹہ بس دور سے دیکھنے کا ہی گھنٹہ ہے اور حقیقت میں اسکے اندر گھنٹہ پن باقی نہیں رہا۔

یہ مثال جو میں نے آپکے سامنے بیان کی ہے اس سے آپ سارا معاملہ سمجھ سکتے ہیں اسلام کو اسی گھنٹے پر قیاس کر لیجئے جس طرح گھنٹے کا مقصد صحیح وقت بتانا ہے اسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہیکہ زمین میں آپ خدا کے خلیفہ، خلق پر خدا کے گواہ، اور دنیا میں دعوت حق کے علم بردار بن کر رہیں، خود خدا کے حکم پر چلیں سب پر خدا کا حکم چلائیں اور سب کو خدا کے قانون کا تابع بنا کر رکھیں۔ اس مقصد کو صاف طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہیکہ:

(آل عمران: ۱۱۰)

''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کیلئے نکالا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہیکہ سب انسانوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، اللہ پر ایمان رکھو''۔

(البقرہ: ۱۴۳)

''اور اس طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو''۔

(نور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ کیا ہے، ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ضرور انکو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔

(انفال ۳۹)

اور لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ غیر اللہ کی بندگی کا فتنہ مٹ جائے اور اطاعت پوری کی پوری صرف اللہ کیلئے ہو"۔

اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے گھنٹے کے پرزوں کی طرح اسلام میں بھی وہ تمام پرزے جمع کئے گئے ہیں جو اس غرض کیلئے ضروری اور مناسب تھے۔ دین کے عقائد و اخلاق کے اصول، دنیا کی ہر چیز کے حقوق جس سے آپکو واسطہ پیش آتا ہے، کمانے کے قاعدے اور خرچ کرنے کے طریقہ، جنگ کے قانون اور صلح کے قاعدے، حکومت کرنے کے قوانین اور حکومت اسلامی کی اطاعت کرنیکے ڈھنگ۔ یہ سب اسلام کے پرزے ہیں اور انکو گھڑی کے پرزوں کی طرح ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ کسا گیا ہیکہ جوں ہی اس میں کوک دی جائے ہر پرزہ دوسرے پرزوں کے ساتھ مل کر حرکت کرنے لگے اور ان سب کی حرکت سے اصل نتیجہ، یعنی اسلام غلبہ اور دنیا پر خدائی قانون کا تسلط اسطرح **مسلسل** ظاہر ہونا شروع ہو جائے جس طرح اس گھنٹے کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسکے پرزوں کی حرکت کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر نتیجہ برابر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ گھڑی میں پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنے کیلئے چند کیلیں اور چند پتیاں لگائی گئی ہیں اسی طرح اسلام کے تمام پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جڑا رکھنے اور انکو صحیح ترتیب میں قائم رکھنے کیلئے وہ چیز رکھی گئی ہے جسکو نظام جماعت کہا جاتا ہے یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا سردار جو دین کا صحیح علم اور تقوی کی صفت رکھتا ہو، جماعت کے دماغ مل کر اسکی مدد کریں، جماعت کے ہاتھ پاؤں اسکی اطاعت کریں، ان سب کی طاقت سے وہ اسلام کے قوانین نافذ کرے اور لوگوں کو ان قوانین کی خلاف ورزی سے روکے۔ اس طریقے سے جب سارے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں اور انکی ترتیب ٹھیک قائم ہو جائے تو انکو حرکت دینے اور دیتے رہنے کیلئے کوک کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہی کوک یہ نماز ہے جو ہر روز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے۔ پھر اس گھڑی کو صاف کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ صفائی یہ روزے ہیں جو سال بھی میں تیس دن رکھے جاتے ہیں اور اس گھڑی کو تیل دینے رہنے کی بھی ضرورت ہے سو زکوۃ وہ تیل ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ اسکے پرزوں کو دیا جاتا ہے یہ تیل کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اسی گھڑی کے بعض پرزے تیل بناتے ہیں اور بعض سوکھے ہوئے پرزوں کو روغن دار کر کے آسانی کیساتھ چلنے کے وا قابل بنا دیتے ہیں۔ پھر اسے کبھی کبھی اوورہال کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، سو وہ اوورہالنگ حج ہے، جو عمر میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے اور اس سے زیادہ جتنا کیا جا سکے اتنا ہی بہتر ہے۔

اب آپ غور کیجئے کہ یہ کوک دنیا، صفائی کرنا، تیل دینا اور اوور ہال کرنا اسی وقت تو مفید ہوسکتا ہے جب فریم میں اسی گھڑی کے سارے پرزے موجود ہوں، ایک دوسرے کیساتھ اسی ترتیب سے جڑے ہوئے ہوں جس سے گھڑی ساز نے انہیں جوڑا تھا اور ایسے تیار رہیں کہ کوک دیتے ہی اپنی مقرر حرکت کرنے لگیں اور حرکت کرتے ہی نتیجہ دکھانے لگیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہے۔ اول تو وہ نظام جماعت ہی باقی نہیں رہا۔ جس سے اس گھڑی کے پرزوں کو باندھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پیچ ڈھیلے ہوگئے اور پرزہ پرزہ الگ ہوگیا بکھر گیا۔ اب جو جسکے جی میں آتا ہے کرتا ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں، ہر شخص مختار ہے۔ اسکا دل چاہے تو اسلام کے قانون کی پیروی کرے، اور نہ چاہے تو نہ کرے، اس پر بھی آپ لوگوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے اور انکی جگہ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے مطابق جس دوسرے مشین کا پرزہ چاہا لا کر اس میں فٹ کر دیا، کوئی صاحب سنگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے کسی صاحب کو آٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آ گیا تو وہ اسے اٹھا لائے۔ اور کسی صاحب نے موٹر لاری کی کوئی چیز پسند کی تو اسے لا کر اس گھڑی میں لگا دیا۔ اب آپ مسلمان بھی ہیں اور بینک سے سودی کاروبار بھی چل رہا ہے، انشورنس کمپنی میں بیمہ بھی کرا رکھا ہے، انگریزی عدالتوں میں جھوٹے مقدمے بھی لڑ رہے ہیں، کفار کی وفادارانہ خدمت بھی ہو رہی ہے، بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو میم صاحب بھی بنایا جا رہا ہے۔ بچوں کو مادہ پرستانہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ گاندھی صاحب کی پیروی بھی ہو رہی ہے اور لینن صاحب کے راگ بھی گائے جا رہے ہیں، غرض کوئی غیر اسلامی چیز ایسی نہیں رہی جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لا لا کر اسلام کی گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو۔

یہ سب حرکتیں کرنے کے بعد اب آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے یہ گھڑی چلے اور وہی نتیجہ دکھلائے جس کیلئے اس گھڑی کو بنایا گیا تھا اور صفائی کرنے، تیل دینے اور اوور ہال کرنے سے وہی فائدے ہوں جو ان کاموں کیلئے مقرر ہیں۔ مگر ذرا عقل سے آپ کام لیں تو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ جو حال آپ نے اس گھڑی کا کر دیا ہے اس میں تو عمر بھر کوک دینے، صفائی کرنے اور تیل دیتے رہنے سے کبھی کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جب تک آپ باہر سے آئے ہوئے تمام پرزوں کو نکال کر اسکے اصلی پرزے اس میں نہ رکھیں گے۔ اور پھر ان پرزوں کو اسی ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کس نہ دیں گے جسطرح ابتداء میں انہیں جوڑا اور کسا گیا تھا، آپ ہرگز ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو اس سے کبھی ظاہر ہوئے تھے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ یہ ہے آپکی نمازوں، روزوں، زکوٰۃ اور حج کے بے نتیجہ ہو جانے کی۔ اول تو آپ میں سے نمازیں پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے ہیں ہی کتنے، نظام جماعت کے بکھر جانے سے ہر شخص مختار مطلق ہو گیا ہے، چاہے ان فرائض کو ادا کرے، چاہے نہ کرے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں، پھر جو لوگ انہیں ادا کرتے ہیں وہ بھی کسطرح کرتے ہیں؟ نماز میں جماعت کی پابندی نہیں، اور اگر کہیں جماعت کی پابندی ہے بھی تو مسجدوں کی امامت کیلئے ان لوگوں کو چنا جاتا ہے جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے۔

مسجد کی روٹیاں کھانے والے، فرض دینی کو کمائی کا ذریعہ سمجھنے والے، جاہل، کم حوصلہ اور پست اخلاق لوگوں کو آپ نے اس نماز کا امام بنایا ہے جو آپکو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوج دار بنانے کیلئے مقرر کی گئی تھی، اسی طرح روزے، زکوٰۃ اور حج کا جو حال ہے وہ بھی نا قابل بیان ہے، ان سب باتوں کے باوجود آپ کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی بہت سے مسلمان اپنے فرائض دینی بجالانے والے ضرور ہیں لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں گھڑی کا پرزہ پرزہ الگ کر کے اور اس میں باہر کی بیسیوں چیزیں داخل کر کے آپکا کوک دینا اور نہ دینا، صفائی کرنا اور نہ کرنا، تیل دینا اور نہ دینا، دونوں ہی بے نتیجہ ہیں، آپکی یہ گھڑی دور سے گھڑی ہی نظر آتی ہے، دیکھنے والا یہی کہتا ہیکہ یہ اسلام ہے اور آپ مسلمان ہیں، آپ جب اس گھڑی کو کوک دیتے ہیں صفائی کرتے ہیں دور سے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہیکہ واقعی آپ کوک دے رہے ہیں اور صفائی کر رہے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز، نماز نہیں ہے، یا یہ روزے روزے نہیں ہیں، مگر دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ اس ظاہری فریم کے اندر کیا کچھ کارستانیاں کی گئی ہیں۔

برادران اسلام! میں نے آپکو اصلی وجہ بتادی ہیکہ آپکے یہ مذہبی اعمال آج کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں اور کیا وجہ ہیکہ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود آپ خدائی فوج دار بننے کے بجائے کفار کے قیدی اور ہر ظالم کے تختہ مشق بنے ہوئے ہیں، لیکن آپ اگر برا نہ مانیں تو میں آپکو اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات بتاؤں کہ آپکو اپنی اس حالت کا رنج اور اپنی مصیبت کا احساس تو ضرور ہے مگر آپکے اندر ہزار میں سے نوسو ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اس حالت کو بدلنے کی صحیح صورت کیلئے راضی نہیں ہیں۔ وہ اسلام کے اس گھنٹے کو جسکا پرزہ پرزہ اندر سے الگ کر دیا گیا ہے اور جس میں اپنی اپنی پسند کے مطابق ہر شخص نے کوئی نہ کوئی چیز ملا رکھی ہے از سرنو مرتب کرنا برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب اس میں سے بیرونی چیزیں نکالی جائیں تو لامحالہ ہر ایک پسند کی چیز نکالی جائیگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسروں کی پسند کی چیزیں تو نکال دی جائیں، مگر آپ نے خود باہر کا جو پرزہ لا کر لگا رکھا ہو اسے رہنے دیا جائے۔ اسی طرح جب اسے کسا جائیگا تو سب ہی اسکے ساتھ کسے جائیں گے یہ ممکن نہیں ہیکہ اور سب تو کس دیئے جائیں مگر صرف ایک آپ ہی ایسے پرزے ہوں جسے ڈھیلا چھوڑ دیا جائے بس یہی وہ چیز ہیکہ جب اسکو کسا جائے گا تو وہ خود بھی اسکے ساتھ کسے جائیں گے، اور یہ مشقت ہے جسے بہ رضا و رغبت گوارہ کرنا لوگوں کیلئے مشکل ہے۔

اسلئے وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ گھنٹہ اسی حال میں دیوار کی زینت بنا رہے اور دور سے لا لا کر لوگوں کو اسکی زیارت کرائی جائے، اور انہیں بتایا جائے کہ اس گھنٹے میں ایسی اور ایسی کرامات چھپی ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر جو کچھ زیادہ اس گھنٹے کے ہوا خواہ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اسی حالت میں اسکو خوب دل لگا کر کوک دی جائے اور نہایت تندہی کے ساتھ اسکی صفائی کی جائے، مگر حاشا کہ اسکے پرزوں کو مرتب کرنے، کسنے اور بیرونی پرزے نکال پھینکنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔

کاش میں آپکی ہاں میں ہاں ملا سکتا، مگر میں کیا کروں جو کچھ میں جانتا ہوں اسکے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ جس حالت میں آپ اس وقت ہیں اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد، اشراق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں، اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں، رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں ساڑھے پانچ مہینوں کے مزید روزے بھی رکھ لیا کریں تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ گھڑی کے اندر اسکے اصلی پرزے رکھے ہوں اور انہیں کس دیا جائے تب تو ذرا سی کوک بھی اسکو چلا دے گی تھوڑا سا صاف کرنا اور ذرا سا تیل دینا بھی نتیجہ خیز ہوگا، ورنہ عمر بھر کوک دیتے رہئے، گھڑی نہ چلنی ہے نہ چلے گی۔ وما علینا الا البلاغ۔

روزہ

برادران اسلام! دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کی ہے، روزہ ہے، روزے سے مراد یہ ہیکہ صبح سے شام تک آدمی کھانے، پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتداء سے تمام پیغمبروں کی شریعت میں فرض رہی ہے پچھلی جتنی امتیں گذری ہیں سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں، جس طرح امت محمدیؐ رکھتی ہے۔ البتہ روزے کے احکام، روزوں کی تعداد اور روزے رکھنے زمانے میں شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے، اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا کر اسکی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید ارشاد ہو اہیکہ ترجمہ: یعنی "اے مسلمانو! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جسطرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا"۔ (البقرۃ:۱۸۳) اس آیت سے معلوم ہوتا ہیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی شریعتیں آئی ہیں، وہ کبھی روزے کی عبادت سے خالی نہیں رہی ہیں۔

غور کیجئے کہ آخر روزے میں کیا بات ہے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر زمانے میں فرض کیا ہے؟

اس سے پہلے کئی مرتبہ آپ سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا اصل مقصد انسان کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت بنا دینا ہے۔ انسان عبد یعنی بندہ پیدا ہوا ہے اور عبدیت یعنی بندگی اسکی عین فطرت ہے۔ اسلئے عبادت یعنی خیال و عمل میں اللہ کی بندگی کرنے سے کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی آزاد نہ ہونا چاہئے۔ اسے اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ہمیشہ اور ہر وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کس چیز میں ہے، اور اسکا غضب اور ناراضی کس چیز میں ہے پھر جس طرف اللہ کی رضا ہو ادھر جانا چاہئے اور جسطرف اللہ کا غضب ہو اور اسکی ناراضی ہو اس سے یوں بچنا چاہئے جیسے آگ کے انگارے سے کوئی بچتا ہے جو طریقہ اللہ نے پسند کیا ہو اس پر چلنا چاہئے اور جس طریقے کو اس نے پسند نہ کیا ہو اس سے بھاگنا چاہئے۔ جب انسان کی ساری زندگی اس رنگ میں رنگ جائے تب سمجھو کہ اس نے اپنے مالک کی بندگی کا حق ادا کیا اور وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے جنوں اور

انسانوں کو پیدا اسی لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں) کا منشا پورا ہو گیا۔

یہ بات بھی اس سے پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ نماز روزے، حج اور زکوٰۃ کے نام سے جو عبادتیں ہم پر فرض کی گئی ہیں، انکا اصل مقصد اسی بڑی عبادت کیلئے ہم کو تیار کرنا ہے۔ انکو فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہیکہ اگر تم نے دن میں پانچ وقت رکوع اوع سجدہ کرلیا، رمضان میں تیس دن تک صبح سے شام تک بھوک پیاس برداشت کرلی، مالدار ہونے کی صورت میں سالانہ زکوٰۃ اور عمر میں ایک مرتبہ حج ادا کردیا، تو اللہ کا جو حق تم پر تھا وہ ادا ہو گیا اور اسکے بعد تم اسکی بندگی سے آزاد ہو گئے کہ جو چاہو کرتے پھرو، بلکہ دراصل ان عبادتوں کو فرض کرنیکی غرض یہی ہیکہ انکے ذریعہ سے آدمی کی تربیت کی جائے اور اسکو قابل بنادیا جائے کہ اسکی پوری زندگی اللہ کی عبادت بن جائے، آئیے اب اسی مقصد کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح آدمی کو اس بڑی عبادت کیلئے تیار کرتا ہے۔

روزے کے سوا دوسرے جتنی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں، مثلاً نماز میں آدمی اٹھتا اور بیٹھتا ہے، رکوع اور سجدہ کرتا ہے جسکو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ حج میں ایک لمبا سفر کرکے جاتا ہے اور پھر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا شخص لیتا ہے۔ ان سب عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا۔ اگر آپ ادا کرتے ہیں تب بھی دوسروں کو معلوم ہو جاتا ہے اگر ادا نہیں کرتے تب بھی لوگوں کو خبر ہو ہی جاتی ہے۔ اسکے برخلاف روزہ ایسی عبادت ہے جسکا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا۔ ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کے وقت تک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پئے، مگر چھپ کر پانی پی جائے یا کچھ چوری چھپے کھا پی لے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اسکی خبر نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزے سے ہے اور وہ حقیقت میں روزے سے نہ ہوگا۔

روزے کی حیثیت کو سامنے رکھو، پھر غور کرو کہ جو شخص حقیقت میں روزے رکھتا ہے اور اس میں چوری چھپے کچھ نہیں کھاتا پیتا، سخت گرمی کی حالت میں بھی جبکہ پیاس سے حلق چٹخا جاتا ہو، پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا، سخت بھوک کی حالت میں جبکہ آنکھوں میں دم آرہا ہو، کوئی چیز کھانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر کتنا ایمان ہے؟ کس قدر زبردست یقین کیساتھ وہ جانتا ہیکہ اسکی کوئی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے، مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی؟ کیسا خوف خدا اسکے دل میں ہیکہ بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اسکے روزے کو توڑنے والا ہو؟ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے اسکو آخرت کی جزا اور سزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو ساٹھ گھنٹے کے روزے رکھتا ہے اور اس دوران میں کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اسکے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا اگر اسے اس بات میں ذرا سا بھی شک ہوتا کہ آخرت ہوگی یا نہ ہوگی اور اس میں عذاب و ثواب ہوگا یا نہ ہوگا تو وہ کبھی اپنا روزہ پورا نہیں کرسکتا۔ شک آنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہیکہ آدمی خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کے ارادے پر قائم رہ جائے۔

اسطرح اللہ تعالیٰ ہر سال کامل ایک مہینہ تک مسلمان کے ایمان کو مسلسل آزمائش میں ڈالتا ہے اوراس آزمائش میں جتنا جتنا آدمی پورا اترتا جاتا ہے اتنا ہی اسکا ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ یہ گویا آزمائش ہے اورٹرینگ کی ٹرینگ۔آپ جب کسی شخص کے پاس امانت رکھواتے ہیں تو گویا اسکی ایمانداری کی آزمائش کرتے ہیں اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے اور امانت میں خیانت نہ کرے تو اسکے اندر امانتوں کا بوجھ سنبھالنے کی اور زیادہ طاقت پیدا ہوجاتی ہے اوروہ زیادہ امین بنتا چلا جاتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مسلسل ایک مہینے تک روزانہ بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے تک آپکے ایمان کو کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے اور جب اس آزمائش میں آپ پورے اترتے ہیں تو آپکے اندر اس بات کی مزید قابلیت پیدا ہونے لگتی ہیکہ اللہ سے ڈر کر دوسرے گناہوں سے بھی پرہیز کریں۔ اللہ کو عالم الغیب جان کر چوری چھپے بھی اسکے قانون کو توڑنے سے بچیں۔اور ہر موقع پر قیامت کا وہ دن آپکو یاد آجایا کرے جب سب کچھ کھل جائے گا اور بغیر کسی رورعایت کے بھلائی کے بھلا اور برائی کا برابدلہ ملے گا۔یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ:

(البقرہ: ۱۸۳)

ترجمہ: یعنی ’’اے اہل ایمان! تمہارے اوپر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ‘‘۔

روزے کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے، اوروہ یہ ہیکہ یہ ایک لمبی مدت تک شریعت کے احکام کی لگاتار اطاعت کراتا ہے، نماز کی مدت کا ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت سال بھی میں صرف ایک وقت آتا ہے، حج میں البتہ لمبی مدت صرف ہوتی ہے مگر اسکا موقع عمر بھر میں ایک دفعہ آتا ہے اوروہ بھی سب کیلئے نہیں۔ان سب کے برخلاف روزہ ہر سال پورے ایک مہینے تک شب وروز شریعت محمدیؐ کے اتباع کی مشق کراتا ہے۔صبح سحری کے لئے اٹھو،ٹھیک فلاں وقت پر کھانا پینا سب بند کردو، دن بھر فلاں فلاں کام کرسکتے ہو اور فلاں فلاں کام نہیں کرسکتے۔شام کو ٹھیک فلاں وقت پر افطار کرو، پھر کھانا کھا کر آرام لو، پھر تراویح کے دوڑو اسطرح ہر سال کامل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو فوجی سپاہیوں کیطرح پورے قاعدے اور ضابطے میں باندھ کر رکھا جاتا ہے اور پھر گیارہ مہینے کیلئے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس ایک مہینے میں اس نے حاصل کی ہے اسکے اثرات ظاہر ہوں، اور جو کمی پائی جائے وہ پھر دوسرے سال کی ٹرینگ میں پوری کی جائے۔

اس قسم کی تربیت کیلئے ایک شخص کو الگ الگ لے کر تیار کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہوتا۔فوج میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شخص کو الگ الگ قواعد نہیں کرائی جاتی، بلکہ پوری فوج کی فوج ایک ساتھ قواعد کرتی ہے۔ سب کو ایک وقت کے بگل کی آواز پر اٹھنا اور بگل کی آواز پر کام کرنا ہوتا ہے تاکہ ان میں جماعت بن کر متفقہ کام کرنے کی عادت ہو، اور اسکے ساتھ ہی وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار بھی ہوں، یعنی ایک شخص کی

تربیت میں جو کچھ نقصان رہ جائے اسکی کمی کو دوسرا اور دوسرے کی کمی کو تیسرا پورا کردے۔ اسی طرح اسلام میں بھی رمضان کا مہینہ روزے کی عبادت کیلئے مخصوص کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایک وقت میں سب کے سب مل کر روزہ رکھیں۔ اس حکم نے انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت بنادیا، جس طرح ایک عدد کو لاکھ سے ضرب دو تو لاکھ کا زبردست عدد بن جاتا ہے اسی طرح ایک ایک شخص کے روزہ رکھنے سے جو اخلاقی اور روحانی فائدے ہو سکتے ہیں لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ پوری فضا کو نیکی اور پرہیزگاری کی روح سے بھر دیتا ہے، پوری قوم گویا تقوی کی کھیتی سرسبز ہوجاتی ہے۔ ہر شخص نہ صرف خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اگر اس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اسکے دوسرے بہت سے بھائی جو اسی کی طرح روزے دار ہیں، اسکے پشت پناہ بن جاتے ہیں، ہر شخص کو روزے رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اور ہر ایک کے دل میں خود بہ خود خواہش ابھرتی ہیکہ کچھ بھلائی کے کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کسی جگہ اگر کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے اور اگر کہیں اعلانیہ بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے، نیکی اور تقوی کا ایک عام ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور بھلائیوں کے پھلنے پھولنے کا موسم آجاتا ہے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ترجمہ: یعنی" آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے، ایک نیکی دس گنی سے سات سو گنی تک پھلتی پھولتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہیکہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، وہ خاص میرے لئے ہے اور میں اسکا جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔ (الحدیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کی نیت اور نیکی کے نتائج کے لحاظ سے تمام اعمال پھلتے پھولتے ہیں اور انکی ترقی کیلئے ایک حد ہے مگر روزے کی ترقی کیلئے کوئی حد نہیں۔ رمضان چونکہ خیر اور اصلاح کے پھلنے اور پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں، بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں اسلئے یہ بے حد وحساب بڑھ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ نیک نیتی کے ساتھ اس مہینہ میں عمل کرو گے جس قدر زیادہ برکتوں سے فائدہ اٹھاؤ گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے اور پھر جس قدر زیادہ اس مہینے کے اثرات بعد کے گیارہ مہینوں میں باقی رکھو گے، اتنا ہی یہ پھلے پھولے گا اور اسکے پھلنے اور پھولنے کی انتہا نہیں ہے۔ تم خود اپنے عمل سے اسکو محدود کرلو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔

روزے کے یہ اثرات اور یہ نتائج سن کر آپ میں سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اثرات آج کہاں ہیں؟ ہم روزے بھی رکھتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ نتیجے جو تم بیان کرتے ہو ظاہر نہیں ہوتے۔ اسکی وجہ تو میں آپ سے پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ یہ ہیکہ اسلام کے اجزاء کو الگ الگ کر دینے کے بعد اور بہت سی نئی چیزیں اس میں ملا دینے کے بعد آپ ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے۔ جو پورے نظام کی بندھی ہوئی صورت ہی میں

ظاہر ہوسکتے ہیں۔اسکے علاوہ دوسری وجہ یہ ہیکہ عبادات کے متعلق آپکا نقطہ نظر بدل گیا ہے۔اب آپ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ محض صبح سے شام تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام عبادت ہے،اور جب یہ کام آپ نے کرلیا تو عبادت پوری ہوگئی۔اسی طرح دوسری عبادتوں کی بھی محض ظاہر شکل کو آپ عبادت سمجھتے ہیں،اور عبادت کی اصلی روح جو آپکے ہر عمل میں ہونی چاہئے اس سے عام طور پر آپکے ۹۹ فی صد بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی غافل ہیں،اسی وجہ سے یہ عبادات اپنے پورے فائدے نہیں دکھاتیں،کیونکہ اسلام میں تو نیت فہم اور سمجھ بوجھ پر سب کچھ منحصر ہے۔

انشاء اللہ آئندہ خطبے میں اس مضمون کی پوری تشریح کروں گا۔

روزہ کا اصل مقصد

بردران اسلام! ہر کام جو انسان کرتا ہے،اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں،ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کیلئے کام کیا جاتا ہے،اور دوسری چیز اس کام کی وہ خاص شکل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اختیار کی جاتی ہے،مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو لیجئے۔کھانے سے آپکا مقصد زندہ رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہیکہ آپ نوالے بناتے ہیں،منہ میں لے جاتی ہیں،دانتوں سے چباتے ہیں اور حلق کے نیچے لے جاتے ہیں۔چونکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سب سے زیادہ کارگر اور سب سے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہوسکتا تھا،اس لئے آپ نے اسی اختیار کیا۔لیکن آپ میں سے ہر شخص جانتاہیکہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کیلئے کھانا کھایا جاتا ہے،نہ کہ کھانے کے فعل کی یہ صورت۔اگر کوئی شخص لکڑی کا برادہ یا راکھ یا مٹی لے کر اسکے نوالے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں سے چبا کر حلق سے نیچے اتار لے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟یہی نا کہ اسکا دماغ خراب ہے،کیوں؟اسلئے کہ وہ احمق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھتا۔اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیکہ بس فعل خوردن کے ان چاروں ارکان کو ادا کردینے ہی کا نام کھانا کھانا ہے۔اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے بعد فوراً ہی حلق میں انگلی ڈال کر قے کردیتا ہو اور پھر شکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کئے جاتے ہیں وہ مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے۔بلکہ میں تو الٹا روز بروز دبلا ہوتا جارہا ہوں اور مرجانے کی نوبت آگئی ہے۔یہ احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے حالانکہ حماقت اسکی اپنی ہے۔اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے بس انکو ادا کردینے ہی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے بس کو ادا کردینے ہی سے زندگی کی طاقت حاصل ہوجاتی ہے۔اسلئے اس سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معدے میں کیوں رکھو؟اسے نکال پھینکا جائے تا کہ پیٹ ہلکا ہوجائے کھانے کے ارکان تو میں ادا کرہی چکا ہوں،یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور پھر اسکی پیروی کی،اسکی سزا بھی تو آخر اسی کو بھگتنی چاہئے۔اسکو جاننا چاہئے تھا کہ جب تک روٹی پیٹ میں جا کر ہضم نہ ہو،اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ

جائے، اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہوسکتی، کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں کیونکہ انکے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی، مگر محض ان ظاہر ارکان کے ادا کردینے سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہیکہ انہیں ادا کرنے سے بس طلسماتی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کیلئے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا۔ اسکو توڑو گے تو اپنے آپکو خود ہلاک کروگے۔

یہ مثال جو اس تفصیل کے ساتھ میں نے آپکے سامنے بیان کی ہے اس پر آپ غور کریں تو آپکی سمجھ میں آسکتا ہیکہ آج آپکی عبادتیں کیوں بے اثر ہوگئی ہیں؟ جیسا کہ میں پہلے بھی آپ سے بارہا بیان کرچکا ہوں سب سے بڑی غلطی یہی ہیکہ آپ نے نماز روزے کے ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو اصل عبادت سمجھ رکھا ہے اور آپ اس خیال خام میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ جس نے یہ ارکان پوری طرح ادا کردیئے۔ اس نے بس اللہ کی عبادت کردی، آپکی مثال اسی شخص کی سی ہے جو کھانے کے چاروں ارکان، یعنی نوالے بنانا، منہ میں رکھنا چبانا اور حلق سے نیچے اتار دینا، بس ان ہی چاروں کے مجموعے کو کھانا سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہیکہ جس نے یہ چار ارکان ادا کردیئے اس نے کھالیا اور کھانے کے فائدے اس کو حاصل ہونے چاہئیں۔ خواہ اس نے ان ارکان کیساتھ مٹی اور پتھر اپنے پیٹ میں اتارے ہوں، یا روٹی کھا کر فوراً قے کردی ہو۔ اگر حقیقت میں آپ لوگ اس حماقت میں مبتلا نہیں ہوگئے ہیں تو مجھے بتایئے کہ کیا ہوا ہیکہ جو روزہ دار صبح سے شام تک اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ عین اس عبادت کی حالت میں جھوٹ کیسے بولتا ہے؟ غیبت کس طرح کرتا ہے؟ بات بات پر لڑتا کیوں ہے؟ اسکی زبان سے گالیاں کیوں نکلتی ہیں؟ وہ لوگوں کا حق کیسے لیتا ہے؟ حرام کھانے اور حرام کھلانے کے کام کسطرح کرلیتا ہے؟ اور پھر یہ سب کام کرکے بھی اپنے نزدیک یہ کیسے سمجھتا ہیکہ میں نے خدا کی عبادت کی ہے؟ کیا اس مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو راکھ اور مٹی کھاتا ہے اور محض کھانے کے چار ارکان کردینے کو سمجھتا ہیکہ کھانا اسی کو کہتے ہیں۔

پھر مجھے بتایئے یہ کیا ماجرا ہیکہ رمضان بھر میں تقریباً ۳۶۰ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات شوال کی پہلی تاریخ ہی کو کافور ہوجاتے ہیں؟ ہندو اپنے تہواروں میں جو کچھ کرتے ہیں وہی سب آپ عید کے زمانے میں کرتے ہیں، حد یہ ہیکہ شہروں میں تو عید کے روز بدکاری، شراب نوشی اور قمار بازی تک ہوتی ہے اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانے میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں، عام مسلمان خدا کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں، مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جنکے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقوی اور پرہیز گاری کو کوئی اثر باقی رہ جاتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کونسی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے؟ اور نفسانیت میں کیا کمی آجاتی ہے؟

سوچئے اور غور کیجئے کہ اسکی وجہ آخر کیا ہے، میں آپکو یقین دلاتا ہوں، اسکی وجہ صرف یہ ہیکہ آپکے ذہن میں

عبادت کا مفہوم اور مطلب ہی غلط ہوگیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سحر سے لے کے مغرب تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام روزہ ہے اور بس یہی عبادت ہے۔ اسلیئے روزے کی تو آپ پوری حفاظت کرتے ہیں، خدا کا خوف آپکے دل میں اس قدر ہوتا ہیکہ جس چیز میں روزہ ٹوٹنے کا ذرا سا اندیشہ بھی ہو اس سے آپ بچتے ہیں، اگر جان پر بھی بن جائے تب بھی آپ کو روزے توڑنے میں تامل ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اصل عبادت نہیں بلکہ عبادت کی صورت ہے۔ اور یہ صورت مقرر کرنے سے مقصود یہ ہیکہ آپکے اندر خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہو، اور آپکے اندر اتنی طاقت پیدا ہوجائے کہ جس چیز میں دنیا بھر کے فائدے ہوں مگر خدا ناراض ہوتا ہو اس سے اپنے نفس پر جبر کرکے بچ سکیں، اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں، مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو، اس پر آپ اپنے نفس کو مجبور کرکے آمادہ کرسکیں۔ یہ طاقت اسی طرح پیدا ہوسکتی تھی کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور مہینہ بھر تک آپ نے خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا کے مطابق چلانے کی جو مشق کی ہے اس سے کام لیتے، مگر آپ تو رمضان کے بعد ہی اس مشق کو اور ان صفات کو جو اس مشق سے پیدا ہوتی ہے اسطرح نکال پھینکتے ہیں جیسے کھانے کے بعد کوئی شخص حلق میں انگلی ڈال کر تے کردے، بلکہ آپ میں سے بعض لوگ تو روزہ کھولنے کے بعد ہی دن بھر کی پرہیزگاری کو اگل دیتے ہیں، پھر آپ ہی بتائیے کہ رمضان اور اسکے روزے کوئی طلسم تو نہیں ہیں کہ بس انکی ظاہری شکل پوری کردینے سے آپکو وہ طاقت حاصل ہوجائے جو حقیقت میں روزے سے حاصل ہونی چاہیئے۔ جسطرح روٹی سے جسمانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک وہ معدے میں جاکر ہضم نہ ہو اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے، اسی طرح روزے سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آدمی روزہ کے مقصد کو پوری طرح سمجھے نہیں اور اپنے دل و دماغ کے اندر اسکو اترنے اور خیال، نیت، ارادے اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔

یہی سبب ہیکہ اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

لعلکم تتقون، یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے، شائد کہ تم متقی پرہیزگار بن جاؤ، یہ نہیں فرمایا کہ اس سے ضرور متقی و پرہیزگار بن جاؤگے اسلیئے کہ روزہ کا یہ نتیجہ تو آدمی کو سمجھ بوجھ اور اسکے ارادے پر موقوف ہے، جو اسکے مقصد کو سمجھے گا اور اسکے ذریعہ سے اصل مقصد کو حاصل کرنیکی کوشش کریگا وہ تھوڑا یا بہت متقی بن جائے، مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنیکی کوشش ہی نہ کریگا اسے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ سمجھایا ہیکہ مقصد سے غافل ہوکر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں چنانچہ فرمایا:

عربی

ترجمہ: یعنی ''جس کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اسکا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں''۔

دوسری حدیث میں ہیکہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

عربی

ترجمہ: یعنی ''بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سواء انکے پلے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا انکے پلے کچھ نہیں پڑتا''۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہیکہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں ہے، بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے اور اصل عبادت ہے خوف خدا کی وجہ سے خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور محبت الٰہی کی بنا پر ہر اس کام کیلئے شوق سے لپکنا جس میں محبوب کی خوشنودی ہو، اور نفسیانیت سے بچنا، جہاں تک بھی ممکن ہو۔ اس عبادت سے جو شخص غافل رہا اس نے خواہ مخواہ اپنے پیٹ کو بھوک پیاس کی تکلیف دی، اللہ تعالٰی کو اسکی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کیلئے اس سے کھانا پینا چھڑا دیتا۔

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکارؐ اس طرح توجہ دلاتے ہیں کہ:

عربی

ترجمہ: یعنی ''جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کیساتھ، اسکے تمام پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے''۔

ایمان کا مطلب یہ ہیکہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہئے، وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے، اور احتساب کا مطلب یہ ہیکہ آدمی اللہ ہی کی رضا کا طالب ہو اور ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے، ان دونوں چیزوں کیساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا جائے گا۔ اسلئے اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کرلیا، اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:

عربی دوسرے صفحہ پر بھی عربی

عربی

ترجمہ: یعنی ''روزے ڈھال کیطرح ہیں (کہ جسطرح ڈھال دشمن کے وار سے بچنے کیلئے ہے، اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کیلئے ہے، لہٰذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہئے کہ (اس ڈھال کو استعمال کرے اور) دنگے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اسکو گالی دے، یا اس سے لڑے تو اسکو کہہ دینا چاہئے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ (مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اس مشغلے میں حصہ لوں گا)

دوسری احادیث میں حضورؐ نے بتایا ہیکہ روزہ کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہئیں اور ہر بھلائی کا شوقین بن جانا چاہئے۔ خصوصاً اس حالت میں اسکے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہئے، کیونکہ وہ خود بھوک، پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح محسوس کرسکتا ہیکہ دوسرے بندگان خدا پر غریبی اور مصیبت میں کیا گزرتی ہوگی؟ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہیکہ خود سرکار رسالت مآبؐ رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانے میں حضورؐ کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا اور کوئی قیدی اس زمانے میں قید نہ رہتا تھا۔ ایک حدیث میں آیا ہیکہ حضورؐ نے فرمایا:

عربی

ترجمہ: یعنی ''جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ اسکے گناہوں کی بخشش کا اور اسکی گردن کو آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہوگا اور اسکو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے ثواب ملے گا بغیر اسکے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبات

حصہ چہارم

حقیقت زکوٰۃ

- زکوٰۃ
- زکوٰۃ کی حقیقت
- اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام
- انفاق فی سبیل اللہ کے احکام
- زکوٰۃ کے خاص م

زکوٰۃ

برادران اسلام ! نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ عام طور پر چونکہ عبادات کے سلسلہ میں نماز کے بعد روزے کا نام لیا جاتا ہے، اسلئے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ نماز کے بعد روزے کا نمبر ہے۔ مگر قرآن مجید سے ہم کو معلوم ہوتا ہیکہ اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑھ کر زکوٰۃ کی اہمیت ہے۔ یہ دو بڑے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، انکے ہٹنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکی اور صفائی کے۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ حاجت مندوں اور مسکینوں کیلئے نکالنے کو زکوٰۃ اسلئے کہا گیا ہیکہ اسطرح آدمی کا مال، اور اس مال کیساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہوجاتا ہے۔ جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں خدا کے بندوں کا حق نہیں نکالتا اسکا مال ناپاک ہے اور مال کے ساتھ اسکا نفس بھی ناپاک ہے کیونکہ اسکے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے۔ اسکا دل اتنا تنگ ہے اتنا خودغرض ہے، اتنا زر پرست ہیکہ جس خدا نے اسکو حقیقی ضروریات سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا۔ اسکے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اسکا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کیا امید کی جاسکتی ہیکہ وہ دنیا میں کوئی نیکی بھی خدا کے واسطے کر سکے گا، کوئی

قربانی بھی محض اپنے دین و ایمان کی خاطر برداشت کرے گا، لہٰذا ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اسکا وہ مال بھی ناپاک جسے وہ اس طرح جمع کرے۔

اللہ تعالی نے زکوٰۃ کا فرض عائد کر کے ہر شخص کو امتحان میں ڈالا ہے۔ جو شخص بخوشی اپنے ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نکالتا ہے اور اسکے بندوں کی مدد کرتا ہے وہی اللہ کے کام کا آدمی ہے اور وہی اس لائق ہیکہ ایمانداروں کی جماعت میں اسکا شمار کیا جائے۔ اور جسکا دل اتنا تنگ ہے کہ وہ اتنی ذراسی قربانی بھی خداوندہ عالم کیلئے برداشت نہیں کرسکتا، وہ اللہ کے کسی کام کا نہیں، وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اہل ایمان کی جماعت میں داخل کیا جائے، وہ تو ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ ہی کردینا بہتر ہے ورنہ سارے جسم کو سڑا دے گا۔ یہی وجہ ہیکہ سرکار رسالتماب ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبرؓ نے ان سے اسطرح جنگ کی جیسے کافروں سے کی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور خدا اور رسول کا اقرار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں، کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید اٹھا کر دیکھئے آپکو نظر آئے گا کہ قدیم زمانہ سے تمام انبیاء کرام کی امتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم لازمی طور پر دیا گیا ہے، اور دین اسلام کبھی کسی نبی کے زمانے میں بھی ان دو چیزوں سے خالی نہیں رہا۔ سیدنا حضرت ابراہیمؑ اور انکی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

(الانبیاء: ۷۳)

ترجمہ: یعنی ''ہم نے انکو انسانوں کا پیشوا بنایا۔ وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے ہم نے وحی کے ذریعہ سے انکو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے''۔

سیدنا اسمٰعیلؑ کے متعلق ارشاد ہے:

(مریم: ۵۵)

ترجمہ: یعنی ''وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ تھے''۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے دعا کی کہ خدایا ہمیں اس دنیا کا بھلائی بھی عطا کر اور آخرت کی بھلائی بھی۔ آپکو معلوم ہے کہ اسکے جواب میں اللہ تعالی نے کیا فرمایا؟ جواب میں ارشاد ہوا:

(الاعراف: ۱۵٦)

ترجمہ: یعنی" میں اپنے عذاب میں جسے چاہوں گا گھیرلوں گا اگر چہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، مگر اس رحمت کو میں نے انہی لوگوں کے حق میں لکھونگا جو مجھ سے ڈریں گے اور زکوۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم چونکہ چھوٹے دل کی تھی اور روپے پر جان دیتی تھی جیسا کہ آج یہودیوں کا حال آپ دیکھتے ہیں، اسلیئے اللہ تعالی نے اتنے جلیل القدر پیغمبر کی دعا کے جواب میں صاف فرمادیا کہ تمہاری امت اگر زکوۃ کی پابندی کرے گی تب تو اس کیلیئے میری رحمت کا وعدہ ہے، ورنہ ابھی سے صاف سن رکھو کہ وہ میری رحمت سے محروم ہوجائے گی، اور میرا عذاب اسے گھیر لے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی بار بار بنی اسرائیل کو اس بات پر تنبیہ کی جاتی رہی، بار بار ان سے عہد لے گئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نماز و زکوۃ کی پابندی کریں۔ (سورہ بقرہ رکوع ١٠)۔ یہاں تک کہ آخر میں صاف نوٹس دے دیا گیا کہ:

(المائدہ: ١٢)

ترجمہ: یعنی" اللہ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور جو رسول آئیں انکی مدد کرو اور اللہ کو قرض حسن دوتو میں تمہاری برائیاں تم سے دور کردوں گا۔

رسول اللہ ﷺ سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سو انکو بھی اللہ تعالی نے نماز اور زکوۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا، جیسا کہ سورہ مریم میں ہے۔

(مریم: ۳١)

ترجمہ: یعنی" اللہ تعالی نے مجھے برکت دی جہاں بھی میں ہوں اور مجھے ہدایت فرمائی کہ نماز پڑھوں اور زکوۃ دیتا رہوں جب تک زندہ رہوں"۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ دین اسلام ابتداء سے ہر نبی کے زمانہ میں نماز اور زکوۃ کے ان دو بڑے ستونوں پر قائم ہوا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی امت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا ہو۔

اب دیکھئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شریعت میں یہ دونوں فرض کس طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے جن آیات پر آپکی نظر پڑتی ہے وہ کیا ہیں؟ یہ کہ:

(البقرۃ: ۲ ۔ ۱)

ترجمہ: یعنی ''یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ پرہیز گاروں کو دنیا میں زندگی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے اور پرہیز گار وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں''۔

پھر فرمایا ترجمہ: یعنی ''ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور فلاح ایسے ہی لوگوں کیلئے ہے''۔ یعنی جن میں ایمان نہیں اور جو نماز اور زکوٰۃ کے پابند نہیں وہ نہ ہدایت پر ہیں اور نہ انہیں فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

اسکے بعد اسی سورہ بقرۃ کو پڑھتے جایئے، چند صفحوں کے بعد پھر حکم ہوتا ہے:

(البقرہ: ۴۳)

ترجمہ: یعنی ''نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو)''۔

پھر تھوڑی دور آگے چل کر اسی سورہ میں ارشاد ہوا:

(البقرۃ: ۱۷۷)

ترجمہ: یعنی ''نیکی محض اسکا نام نہیں ہیکہ مشرق یا مغرب کی طرف تم نے منہ کر لیا بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے اللہ اور آخرت اور ملائکہ اور کتاب الٰہی اور پیغمبروں پر ایمان رکھا اور اللہ کی محبت میں اپنے حاجت مند رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں پر اپنا مال خرچ کیا اور (قرض یا اسیری) سے گردنیں چھڑانے میں مدد اور نماز کی پابندی کیا و رزکوٰۃ ادا کی۔ اور نیک لوگ وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کریں اور مصیبت او رنقصان اور جنگ کے موقع پر صبر کیساتھ اور نقصان اور جنگ کے موقع پر صبر کیساتھ راہ حق پر ڈٹ جائیں۔ ایسے ہی لوگ سچے مسلمان ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی و پرہیز گار ہیں''۔

پھر آگے دیکھئے۔ سورہ مائدہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے:

(المائدۃ: ۵۶۔۵۵) آگے کے صفحہ پر بھی یہی آیت

(المائدۃ: ۵۶-۵۵)

ترجمہ: یعنی ''مسلمانو! تمہارے حقیقی دوست اور مددگار صرف اللہ اور رسول اور ایماندار لوگ ہیں یعنی ایسے لوگ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ اور رسول اور ایماندار لوگوں کو دوست بنائے وہ اللہ کی پارٹی کا آدمی ہے اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہونے والی ہے''۔

اس عظیم الشان آیت میں ایک بڑا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس آیت سے آپکو معلوم ہو گیا کہ اہل ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ان دو ارکان اسلام سے جو لوگ روگردانی کریں انکا دعویٰ ایمان ہی جھوٹا ہے پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کی ایک پارٹی ہے اور ایماندار آدمی کا کام یہ ہیکہ سب سے الگ ہو کر اسی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ جو مسلمان اس پارٹی سے باہر رہنے والے کسی شخص کو خواہ وہ باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، ہمسایہ یا ہم وطن ہو یا کوئی بھی ہو، اگر وہ اسکو اپنا دوست بنائے گا اور اس سے محبت اور مددگاری کے تعلق رکھے گا تو اسے یہ امید نہ رکھنی چاہئے کہ اللہ اس سے مددگاری کا تعلق رکھنا پسند فرمائے گا۔ سب سے آخر میں اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو غلبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ یکسو ہو کر اللہ اور رسولؐ اور صرف اہل ایمان ہی کو اپنا ولی، مددگار، دوست اور ساتھی بنائیں۔

اب آگے چلئے۔ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے جنگ کا حکم دیا ہے اور مسلسل کئی رکوعوں تک جنگ ہی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

(التوبہ: ۱۱)

ترجمہ: یعنی ''پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ وہ واقعی کفر و شرک سے تائب ہو گئے ہیں اور حقیقت میں ایمان لائے ہیں، صرف اسی طرح مل سکتا ہیکہ وہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ لہٰذا اگر وہ اپنے اس عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دے دیں تب تو تمہارے دینی بھائی ہیں، ورنہ انکو بھائی نہ سمجھو اور ان سے جنگ بند نہ کرو۔

پھر آگے چل کر اسی سورے میں فرمایا:

(التوبہ: ۷۱) آگے کے صفحہ پر بھی یہی آیت

(التوبہ: ۷۱)

ترجمہ: یعنی ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں، اور ان مومن مردوں اور عورتوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر اللہ رحمت کریگا''۔

سن لیا آپ نے! کوئی شخص مسلمانوں کا دینی بھائی بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اقرار ایمان کر کے عملاً نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کرے۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ یہ تین چیزیں مل کر ایمانداروں کی جماعت بناتی ہیں، جو لوگ ان تینوں کے پابند ہیں وہ اس پاک جماعت کے اندر ہیں اور انہی کے درمیان دوستی، محبت، رفاقت، مددگاری کا تعلق ہے۔ اور جو انکے پابند نہیں، وہ اس جماعت کے باہر ہیں، خواہ وہ نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ ان سے دوستی، محبت اور رفاقت کا تعلق رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اللہ کے قانون کو توڑ دیا اور اللہ کی پارٹی کو منتشر کر دی۔ پھر تم دنیا میں غالب ہو کر رہنے کی امید کیسے کر سکتے ہو؟

اور آگے چل کر سورے حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

(الحج: ۴۰۔۴۱)

ترجمہ: یعنی ''اللہ ضرور انکی مدد کریگا جو اسکی مدد کرینگے اور اللہ زبردست قوت والا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں حکومت بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے اور سب چیزوں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے''۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بھی وہی نوٹس دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ ابھی آپکو سنا چکا ہوں کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو کیا نوٹس دیا تھا۔ ان سے صاف فرما دیا تھا کہ میں اسی وقت تک تمہارے ساتھ ہوں جب تک تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے نبیوں کے مشن میں انکا ساتھ دو گے۔ یعنی میرے قانون کو دنیا میں جاری کرنے کی کوشش کرتے رہو گے۔ جونہی تم نے اس کام چھوڑا پھر میں اپنا ہاتھ تمہاری مدد سے کھینچ لوں گا۔ ٹھیک یہی بات اللہ نے مسلمانوں سے بھی فرمائی ہے۔ ان سے صاف کہہ دیا ہیکہ اگر زمین میں طاقت حاصل کر کے تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دو گے اور نیکیاں پھیلاؤ گے اور بدیوں کو مٹاؤ گے تب تو میں تمہارا مددگار رہوں اور جسکا میں مددگار رہوں اسے کون دبا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم نے زکوٰۃ سے منہ پھیرا اور زمین میں حکومت حاصل کر کے

نیکیوں کے بجائے بدیاں پھیلائیں اور بدیوں کے بجائے نیکیوں کو مٹانا شروع کیا اور میرا کلمہ بلند کرنے کے بجائے اپنا کلمہ بلند کرنے لگے، اور خراج وصول کر کے اپنے لئے زمین پر جنتیں بنانے ہی کو وراثت ارضی کا مقصود سمجھ لیا تو سن رکھو کہ میری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوگی پھر شیطان ہی تمہارا مددگار رہ جائے گا۔

اللہ اکبر! کتنا بڑا عبرت کا مقام ہے، جو دھمکی بنی اسرائیل کو دی گئی تھی، اسکو انہوں نے خالی خولی زبانی دھمکی سمجھا اور اسکے خلاف عمل کر کے اپنا انجام دیکھ لیا کہ آج روئے زمین پر مارے مارے پھر رہے ہیں، جگہ جگہ سے نکالے جا رہے ہیں اور کہیں ٹھکانا نہیں پاتے۔ کروڑہا روپے کے کھتے انکے پاس بھرے پڑے ہیں، دنیا کی سب سے زیادہ دولتمند قوم ہیں، مگر یہ روپیہ انکے کسی کام نہیں آتا۔ نماز کے بجائے بدکاری اور زکوٰۃ کے بجائے سودخواری کا ملعون طریقہ اختیار کر کے انہوں نے خود بھی خدا کی لعنت اپنے اوپر مسلط کرالی اور اب اس لعنت کو لئے ہوئے طاعون کے چوہوں کیطرح دنیا بھی میں اسے پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ پھر یہی دھمکی مسلمانوں کو دی گئی اور مسلمانوں نے اسکی کچھ پرواہ نہ کر کے نماز اور زکوٰۃ سے غفلت کی، اور خدا کی بخشی ہوئی طاقت کو نیکیاں پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے میں استعمال کرنا چھوڑ دیا اسکا نتیجہ دیکھ لو کہ حکومت کے تخت سے اتار کر پھینک دیئے گئے، دنیا بھی میں ظالموں کا تختہ مشق بن رہے ہیں اور روئے زمین میں ہر جگہ ضعیف اور مغلوب ہیں، نماز اور زکوٰۃ کو چھوڑنے کا انجام بد تو دیکھ چکے اب ان میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو مسلمانوں کو بے حیائی فحش اور بدکاری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ اور ان سے کہہ رہی ہیکہ تمہارے افلاس کا علاج یہ ہیکہ بینک اور انشورنس کمپنیاں قائم کرو اور سود خواری شروع کر دو، خدا کی قسم اگر انہوں نے یہ کیا تو وہی ذلت اور خواری ان پر مسلط ہو کر رہے گی جس میں یہودی مبتلا ہوئے ہیں اور یہ بھی خدا کی اس لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے جس نے بنی اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔

برادران اسلام! آئندہ خطبوں میں میں آپکو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے، کتنی بڑی طاقت اللہ نے اس چیز میں بھر دی ہے، اور آج جس رحمت خداوندی کو مسلمان ایک معمولی چیز سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں کتنی بڑی برکتیں رکھتی ہے۔ آج کے خطبے میں میرا مقصد آپکو صرف یہ بتانا تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا اسلام میں کیا درجہ ہے؟ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں اور انکے مولوی انکو رات دن یہ اطمینان دلاتے رہتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں مگر قرآن اسکی صاف الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اسکے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اسی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر انکے خلاف تلوار اٹھائی تھی جیسا کہ میں ابھی آپ سے بیان کر چکا ہوں۔ صحابہ کرامؓ کو ابتداء میں شبہ تھا کہ آیا وہ مسلمان جو خدا اور رسول کا اقرار کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جن پر تلوار اٹھانے کا حکم ہے۔ مگر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ جنکو اللہ نے مقام نبوت کے قریب درجہ عطا فرمایا تھا اپنی بات پر اڑ گئے اور انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دیا کرتے تھے، اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے تو ان پر تلوار اٹھا

وں گا تو با لآخر تمام صحابہ کرامؓ کے دلوں کو اللہ نے حق کیلئے کھول دیا اور سب نے یہ بات تسلیم کرلی کہ زکوٰۃ نہ دینا ان مشرکین کا کام ہے جو آخرت کے منکر ہیں۔ ترجمہ: یعنی ''تباہی ہے ان مشرکین کیلئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں''۔ (حٰم سجدہ ۱)

زکوٰۃ کی حقیقت

برادران اسلام! پچھلے خطبے میں، میں بیان کر چکا ہوں کہ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے اور یہ اتنی بڑی چیز ہیکہ اسطرح نماز سے انکار کرنے والے کو کافر ٹھرایا گیا ہے اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو بھی نہ صرف کافر ٹھرایا گیا بلکہ ان پر صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق جہاد کیا۔

اب میں آج کے خطبے میں آپکے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کروں گا تا کہ آپکو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ دراصل ہے کیا چیز اور اسلام میں اسکو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟

آپ میں سے بعض لوگ تو ایسے سیدھے سادھے ہوتے ہیں جو ہر کس و ناکس کو دوست بنا لیتے ہیں، اور کبھی دوست بناتے وقت آدمی کو پرکھتے نہیں کہ وہ واقع میں دوست بنانے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ ایسے لوگ دوستی میں اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعد میں انکو بڑی مایوسیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن جو عقلمند لوگ ہیں وہ جن لوگوں سے ملتے ہیں انکو خوب پرکھ کر ہر طریقہ سے جانچ پڑتال کر کے دیکھتے ہیں پھر جو کوئی ان میں سے سچا، مخلص، وفادار آدمی ملتا ہے صرف اسی کو دوست بناتے ہیں اور بیکار آدمیوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالی سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے۔ اس سے یہ امید کی جاسکتی ہیکہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا دوست بنا لے گا، اپنی پارٹی میں شامل کر لے گا اور اپنے دربار میں عزت اور قربت کی جگہ دیگا۔ جب انسانوں کو دانائی و عقلمندی کا تقاضا یہ ہیکہ وہ بغیر جانچے اور پرکھے کسی کو دوست نہیں بناتے تو اللہ جو ساری دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے، ناممکن ہیکہ وہ جانچے اور پرکھے بغیر ہر ایک کو اپنی دوستی کا مرتبہ بخش دے۔ یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں جن میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں اچھے اور برے، سب کے سب اس قابل نہیں ہوسکتے کہ اللہ کی اس پارٹی میں، اس حزب اللہ میں شامل کر لئے جائیں جسے اللہ تعالی دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ اور آخرت میں تقرب کا مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کمال درجہ حکمت کے ساتھ چند امتحان، چند آزمائشیں، چند معیار جانچنے اور پرکھنے کیلئے مقرر کر دیئے ہیں کہ انسانوں میں سے جو کوئی ان پر پورا اترے وہ تو اللہ کی پارٹی میں آجائے اور جو اُن پر پورا نہ اترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔

یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالی چونکہ حکیم و دانہ ہے اسلئے سب سے پہلے امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی کا ہی لیتا

ہے۔ یہ دیکھتا ہیکہ اس میں سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں؟ نرا احمق تو نہیں ہے؟ اسلئے کہ جاہل اور بے وقوف کبھی دانا اور حکیم کا دوست نہیں بن سکتا۔ جو شخص اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر پہچان لے کہ وہی میرا مالک اور خالق ہے اسکے سوا کوئی معبود، کوئی پروردگار، کوئی دعائیں سننے اور مدد کرنے والا نہیں ہے، اور جو شخص اللہ کے کلام کو سنکر جان لے کہ یہ میرے مالک ہی کا کلام ہے کسی اور کا کلام نہیں ہوسکتا، اور جو شخص سچے نبی اور جھوٹے مدعیوں کی زندگی، انکے اخلاق ، انکے معاملات، انکی تعلیمات، انکے کارناموں کے فرق کو ٹھیک ٹھیک سمجھے اور پہچان جائے کہ نبوت کا دعوی کرنے والوں میں سے فلاں ذات پاک تو حقیقت میں خدا کی طرف سے ہدایت بخشنے کیلئے آئی ہے، اور فلاں دجال ہے دھوکا دینے والا ہے ایسا شخص دانائی کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے اور اسکو انسانوں کو بھیڑ بھاڑ سے الگ کرکے اللہ تعالی اپنی پارٹی کے منتخب امیدواروں میں شامل کرلیتا ہے، باقی لوگ جو پہلے ہی امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں انکو چھوڑ دیا جاتا ہیکہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں۔

اس سے پہلے امتحان میں جو امیدوار کامیاب ہو جاتے ہیں، انہیں پھر دوسرے امتحان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس دوسرے امتحان میں آدمی کے عقل کے ساتھ اسکی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا ہیکہ اس آدمی میں سچائی اور نیکی کو جان کر اسے قبول کرلینے اور اس پر عمل کرنے کی، اور جھوٹ اور بدی کا جان کر اسے چھوڑ دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں؟ یہ اپنے نفس کی خواہشات کا، باپ دادا کی تقلید کا، خاندانی رسموں کا، دنیا کے عام خیالات اور طور طریقوں کا غلام تو نہیں ہے؟ اس میں یہ کمزوری تو نہیں ہیکہ ایک چیز کو خدا کی ہدایت خلاف پاتا ہے اور جانتا ہیکہ وہ بری ہے، مگر پھر بھی اسی کے چکر میں پڑا رہتا ہے، اور دوسری چیز کو جانتا ہیکہ خدا کے نزدیک وہی حق اور پسندیدہ ہے مگر اس پر بھی اسے قبول نہیں کرتا؟ اس امتحان میں جو لوگ فیل ہو جاتے ہیں، انہیں بھی اللہ تعالی اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کردیتا ہے، اور صرف ان لوگوں کو چنتا ہے جنکی تعریف یہ ہیکہ...... ترجمہ: یعنی "خدا کی ہدایت کے خلاف جو راستہ اور جو طریقہ بھی ہو، اسے وہ جرأت کے ساتھ چھوڑ دیں، کسی چیز کی پرواہ نہ کریں، اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کیلئے تیار ہو جائیں خواہ اس پر کوئی ناراض ہو یا خوش۔ (البقرہ ۲۵۶)

اس امتحان میں جو لوگ نکلتے ہیں انکو پھر تیسرے مرتبے کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ اس درجے میں اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے یہاں حکم دیا جاتا ہیکہ جب ہماری طرف سے ڈیوٹی کی پکار بلند ہو تو اپنی نیند قربان کرو اور حاضر ہو، اپنے کام کاج کا حرج کرو اور آؤ، اپنی دلچسپیوں کو، اپنے فائدوں کو، اپنے لطف اور تفریح کو چھوڑو اور آکر فرض بجالاؤ، گرمی ہو، جاڑا ہو، کچھ ہو، بہرحال جب فرض کیلئے پکارا جائے تو ہر مشقت کو قبول کرو اور دوڑتے ہوئے آؤ، پھر جب ہم حکم دیں کہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہو اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکو، تو اس حکم کی پوری تعمیل ہونی چاہئے خواہ بھوک پیاس کی کیسی ہی تکلیف ہو اور چاہے لطیف کھانوں اور مزیدار شربتوں کے ڈھیر ہی سامنے کیوں نہ لگے ہوئے ہوں، جو لوگ اس امتحان میں کچے نکلتے ہیں ان سے بھی کہہ دیا جاتا ہیکہ تم ہمارے کام کے نہیں ہو۔ انتخاب صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس تیسرے امتحان میں پکے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ صرف

انہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہیکہ خدا کی طرف سے جوقوانین ان کیلئے بنائے جائیں گے اور جو ہدایات انکو دی جائیں گی، وہ خفیہ اور علانیہ، فائدے اور نقصان، راحت اور تکلیف ہر حال میں انکی پابندی کرسکیں گے۔

اسکے بعد چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے، تیسرے امتحان کے کامیاب امیدوار ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خدا کی ملازمت میں باقاعدہ لے لئے جائیں۔ ابھی یہ دیکھنا ہیکہ کہیں وہ چھوٹے دل کے پست ہمت، کم حوصلہ، تنگ ظرف تو نہیں ہیں؟ ان لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جو محبت اور دوستی کے دعوے تو لمبے چوڑے کرتے ہیں مگر اپنے محبوب اور دوست کی خاطر جب گروہ سے کچھ خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ "گرزر طلبی سخن دریں ست"؟ انکا حال اس شخص کا سا تو نہیں ہے جو زبان سے تو ماتاجی ماتاجی کہتا ہے اور ماتاجی کی خاطر دنیا بھر سے جھگڑا بھی لیتا ہے، مگر جب وہی ماتاجی اسکے غلے کی ٹوکری یا اسکی سبزی کے ڈھیر پر منہ مارتی ہیں تو لٹھ لے کر انکے پیچھے دوڑتا ہے، اور مار مار کر انکی کھال اڑا دیتا ہے؟ ایسے خود غرض، زر پرست، تنگ دل آدمی کو تو معمولی درجہ کا عقل مند انسان بھی دوست نہیں بناتا اور ایک بڑے دل والا انسان اس قسم کی ذلیل آدمی کو اپنے پاس جگہ دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر بھلا وہ بزرگ و برتر خدا، جو اپنے خزانے ہر آن اپنی حد وحساب مخلوق پر بے حد وحساب طریقہ سے لٹا رہا ہے، ایسے شخص کو اپنی دوستی کے قابل کب سمجھ سکتا ہے جو خدا کے دیئے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی جی چراتا ہو؟ اور وہ خدا جس کی دانائی و حکمت سب سے بڑھ کر ہے، کس طرح اس انسان کو اپنی پارٹی میں شامل کرسکتا ہے جس کی دوستی و محبت فقط زبانی جمع خرچ تک ہو، اور جس پر کبھی بھروسہ نہ کیا جاسکتا ہو؟ پس جو لوگ اس چوتھے امتحان میں فیل ہوجاتے ہیں انکو بھی صاف جواب دے دیا جاتا ہیکہ جاؤ تمہارے کیئے اللہ کی پارٹی میں کوئی جگہ نہیں ہے تم بھی ناکارہ ہو اور تم اس عظیم الشان خدمت کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جو خلیفہ الٰہی کے سپرد کی جاتی ہے، اس پارٹی میں تو صرف وہ لوگ شامل کیئے جاسکتے ہیں جو اللہ کی محبت پر جان، مال، اولاد، خاندان، وطن، ہر چیز کی محبت کو قربان کردیں۔

(آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: یعنی "تم نیکی کے مقام کو نہیں پاسکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے"۔

اس پارٹی میں تنگ دلوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے، اس میں تو صرف وہی لوگ داخل ہوسکتے ہیں جنکے دل بڑے ہیں۔

(الحشر: ۹)

ترجمہ: یعنی "جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

یہاں تو ایسے فراخ حوصلہ لوگوں کی ضرورت ہیکہ اگر کسی شخص نے انکے ساتھ دشمنی بھی کی ہو، انکو نقصان اور رنج بھی پہنچایا ہو، انکے دل کے ٹکڑے بھی اڑا دیئے ہوں تب بھی وہ خدا کی خاطر اسکے پیٹ کو روٹی اور اسکے تن کو کپڑا دینے سے انکار نہ کریں، اور اسکی مصیبت کے وقت میں اسکی مدد سے دریغ نہ کریں۔

(النور: ۲۲)

ترجمہ: یعنی ''تم میں سے جو خوشحال اور صاحب مقدرت لوگ ہیں، وہ اپنے عزیزوں اور مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچ لیں بلکہ چاہئے کہ انکو معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے؟ حالانہ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک عزیز نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے اس ناروا حرکت سے ناراض ہوکر اسکی مالی مدد بند کردی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کانپ اٹھے اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے خدا کی بخشش چاہتا ہوں اور اس شخص کی پھر مدد شروع کردی جس نے انکو اس قدر سخت روحانی اذیت پہنچائی تھی)

یہاں ان عالی ظرف لوگوں کی ضرورت ہے جو:

(الدھر: ۸۔۱۰)

ترجمہ: یعنی ''محض خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کیلئے تمہیں کھلا رہے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے''۔

یہاں ان پاک دل والوں کی ضرورت ہے جو خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں بہتر سے بہتر مال چھانٹ کردیں۔

(البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: یعنی ''اے ایمان والو! تم نے جو مال کمائے ہیں اور جو رزق تمہارے لئے ہم نے زمین سے نکالا ہے اور اس میں سے اچھا مال راہ خدا میں صرف کرو، برے سے برا چھانٹ کر نہ دو''۔

یہاں ان بڑی ہمت والوں کی ضرورت ہے جو تنگدستی اور غربت وافلاس کی حالت میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خدا کے دین کی خدمت اور خدا کے بندوں کی مدد میں روپیہ صرف کرنے دریغ نہیں کرتے۔

(آل عمران: ۱۳۳۔۱۳۴)

ترجمہ: یعنی ''اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف لپکو جسکی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو تیار کر کے رکھی گئی ہے ان پرہیزگاروں کیلئے جو خوشحالی اور تنگ حالی دونوں حالتوں میں خدا کیلئے خرچ کرتے ہیں۔

یہاں ان ایمانداروں کی ضرورت ہے جو سچے دل سے اس بات یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے گا وہ ضائع نہ ہوگا بلکہ خدا دنیا و آخرت میں اسکا بہترین بدل عطا فرمائے گا، اسلئے وہ محض خدا کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتے ہیں، اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ لوگوں کو انکی فیاضی وسخاوت کا حال معلوم ہوا یا نہیں اور کسی نے انکی بخشش کا شکریہ ادا کیا یا نہیں۔

(البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: یعنی ''تم جو کچھ راہ حق میں خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لئے بھلائی ہے جبکہ تم اپنے اس خرچ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی نہیں چاہتے، اسطرح جو کچھ بھی تم کار خیر میں صرف کرو گے اسکا پورا پورا فائدہ تم کو ملے گا اور تمہارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

یہاں ان بہادروں کی ضرورت ہے جو دولتمندی اور خوشحالی میں بھی خدا کو نہیں بھولتے، جنکو محلوں میں بیٹھ کر اور ناز و نعمت میں رہ کر بھی خدا یاد رہتا ہے۔

(المنافقون: ۹)

ترجمہ: یعنی ''اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کردے، جو ایسا کرے گا خود وہ ٹوٹے میں رہنے والا ہے''۔

یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے والوں کی لازمی صفات ہیں۔ انکے بغیر کوئی شخص خدا کے دوستوں میں شامل نہیں ہوسکتا۔ دراصل یہ انسان کے اخلاق ہی کا نہیں بلکہ اسکے ایمان کا بھی بہت کڑوا اور سخت امتحان ہے جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے، اس خرچ کو اپنے اوپر چٹی اور جرمانہ سمجھتا ہے، حیلوں اور بہانوں سے بچاؤ کی صورتیں نکالتا ہے اور اگر خرچ کرتا ہے تو اپنی تکلیف کا بخار لوگوں پر احسان رکھ کر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، یا چاہتا ہیکہ اسکی سخاوت کا دنیا میں اشتہار دے دیا جائے، وہ دراصل خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہیکہ خدا کی راہ میں جو کچھ گیا وہ ضائع ہوگیا۔ اسکو اپنا عیش، اپنا آرام، اپنی لذتیں، اپنے فائدے اور اپنی ناموری، خدا سے اور اسکی خوشنودی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہیکہ جو کچھ ہے یہی دنیا کی زندگی ہے، اگر روپیہ صرف کیا جائے تو اسی دنیا میں ناموری اور شہرت ہونی چاہئے تاکہ اس روپے کی قیمت یہیں وصول ہوجائے، ورنہ اگر روپیہ بھی گیا اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ فلاں صاحب نے فلاں کارخیر میں اتنا مال صرف کیا ہے تو گویا سب مٹی میں مل گیا۔ قرآن مجید میں صاف فرمادیا گیا ہیکہ اس قسم کا آدمی خدا کے کام کا نہیں، وہ اگر ایمان کا دعوا کرتا ہے تو منافق ہے، چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

(البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: یعنی ''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھانے اور نام چاہئے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا''۔

(التوبہ: ۳۴)

ترجمہ: یعنی ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت سزا کی بشارت دے دو''۔

(التوبہ: ۴۴.۴۵)

ترجمہ: یعنی ''اے نبیؐ! جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی نہ چاہیں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ اپنے متقی بندوں

کو خوب جانتا ہے، معذرت صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جنکے دلوں میں شک ہے، اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں، راہ خدا میں انکے خرچ کیے جا سکتے کہ وہ دراصل اللہ اور رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے، نماز کو آتے ہیں تو دلبر داشتہ ہو کر اور مال خرچ کرتے ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر۔

(التوبہ:٦٧)

ترجمہ یعنی ''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، وہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں۔ اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں، وہ خدا کو بھول گئے اور خدا نے انکو بھلا دیا، یقیناً یہی منافقین فاسق ہیں''۔

(التوبہ: ٩٨)

ترجمہ: یعنی ''ان اعراب (یعنی منافقین) میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو راہ خدا میں خرچ کرتے بھی ہیں تو زبردستی کی چٹی سمجھ کر''۔

(محمدؐ:٣٨)

ترجمہ: یعنی ''تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہ خدا میں خرچ کرنے کیلئے کہا جاتا ہے تو تم میں سے بہت لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی لئے بخل کرتا ہے، اللہ تو غنی ہے تم ہی اسکے محتاج ہو اگر تم نے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔

برادران اسلام! یہ ہے اس زکوٰۃ کی حقیقت جو آپکے دین کا ایک رکن ہے۔ اسکو دنیا کی حکومتوں کے ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھئے بلکہ دراصل یہ اسلام کی روح اور اسکی جان ہے، یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے جسطرح درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے، یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر گراجویٹ بنتا ہے، اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں، جن سے آدمی کو گزرنا پڑتا ہے، اور جب وہ چوتھا امتحان یعنی مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کیساتھ دے دیتا ہے تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے، اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے اسکے بعد زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا ہے جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ لیکن اسلام کے دائرے میں، یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں

آنے کیلئے داخلہ کے جو امتحانات مقرر کیئے گئے ہیں ان میں سے یہ آخری امتحان ہے، آج کل بعض لوگ کہتے ہیں خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے وعظ تو مسلمانوں کو بہت سنائے جا چکے، اب غربت و افلاس کی حالت میں تو انکو کمانے اور جمع کرنے کے وعظ سنانے چاہئیں، مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں، دراصل یہی اسلام کی روح ہے اور مسلمانوں کو جس چیز نے پستی و ذلت کے گڑھے میں گرایا ہے وہ دراصل اسی روح کی کمی ہے مسلمان اسلیئے نہیں گرے کہ اس روح نے انکو گرادیا، بلکہ اسلیئے گرے ہیں کہ یہ روح ان سے نکل گئی ہے۔

آئندہ خطبات میں آپکو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ اور صدقات حقیقت میں ہماری جماعتی زندگی کی جان ہیں اور ان میں ہمارے لئے آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی ساری نعمتیں جمع کردی گئی ہیں۔

اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

برادران اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپکے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کر چکا ہوں، اب میں آپکے سامنے اسکے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالوں گا۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کیلئے جگہ جگہ انفاق سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی ''خدا کی راہ میں خرچ کرنا''۔ بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا کہ جو کچھ تم راہ خدا میں صرف کرتے ہو یہ اللہ کے ذمہ قرضہ حسنہ ہے گویا تم اللہ کو قرض دیتے ہو اور اللہ تعالی تمہارا قرضدار ہو جاتا ہے، بکثرت مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہیکہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے اسکا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور وہ صرف اتنا ہی تم کو واپس نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا، اس مضمون پر غور کیجئے کیا زمین اور آسمان کا مالک، نعوذ باللہ آپکا محتاج ہے؟ کیا اس ذات پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ پادشاہوں کا پادشاہ، یہ بے حد حساب خزانوں کا مالک، اپنے لئے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ! اسی کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں، اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں، آپ میں سے ہر امیر اور غریب کے پاس جو کچھ ہے سب اسی کا تو عطیہ ہے، آپکے ایک فقیر سے لے کر ایک کروڑ پتی اور ارب پتی تک ہر شخص اسکے کرم کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، اسکو کیا ضرورت ہے کہ آپ سے قرض مانگے اور اپنی ذات کیلئے آپکے آگے ہاتھ پھیلائے؟ دراصل یہ بھی اسکی شان کریمی ہیکہ وہ آپ سے خود آپکے ہی فائدے کیلئے، آپ ہی کی بھلائی کیلئے، آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے اور کہتا ہیکہ خرچ میرے راہ میں ہے مجھ پر قرض ہے، میرے ذمہ اسکا بدلہ ہے اور میں تمہارا احسان مانتا ہوں، تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو دو، اسکا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں، انکی طرف سے میں دوں گا۔ تم اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کرو۔ اسکا احسان ان پر نہیں مجھ پر ہے، میں تمہارے اس احسان کو اتاروں گا، تم اپنے یتیموں، اپنی بیواؤں، اپنے معذوروں، اپنے

مسافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دو اسے میرے حساب میں لکھ لو۔ تمہارا مطالبہ انکے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے اور میں اسکو ادا کروں گا۔ تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دو اوران سے سود نہ مانگو، انکو تنگ نہ کرو، اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو انکو سول جیل نہ بھجواؤ، انکے کپڑے اور گھر کے برتن فروخت نہ کراؤ انکے بال بچوں کو گھر سے بے گھر نہ کردو۔ تمہارا قرض انکے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے۔ اگر وہ اصل ادا کردیں گے تو انکی طرف سے سود میں ادا کروں گا اور اگر وہ اصل بھی ادا نہ کرسکیں گے تو میں اصل اور سود دونوں تمہیں دوں گا۔ اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں، اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کیلئے، جو کچھ تم خرچ کروگے، اسکا فائدہ اگرچہ تم ہی کو ملے گا مگر اسکا احسان مجھ پر ہوگا۔ میں اسکی پائی پائی منافع سمیت تمہیں واپس دوں گا۔

یہ ہے اس کریموں کے کریم، اس پادشاہوں کے پادشاہ کی شان، تمہارے پاس جو کچھ ہے اسی کا بخشا ہوا ہے۔ تم کہیں اور سے نہیں لاتے، اسی کے خزانوں سے لیتے ہو، اور پھر جو کچھ دیتے ہو، اسکو نہیں دیتے، اپنے رشتہ داروں اپنے ہی بھائی بندوں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دیتے ہو، یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو جسکا فائدہ آخر کار تم ہی کو پہنچتا ہے، مگر اس فیاض حقیقی کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو، اسے وہ فرماتا ہیکہ تم نے مجھے دیا، میری راہ میں دیا، مجھے قرض دیا، میں اسکا اجر تمہیں دوں گا اللہ اکبر! خداوند عالم ہی کو یہ شان کریمی زیب دیتی ہے۔ اسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہیکہ فیاضی اور جود و کرم کے بلندترین کمال کا اظہار کرے، کوئی انسان اس بلند خیالی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اچھا اب اس بات پر غور کیجئے کہ اللہ تعالی نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر ابھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر جتنا زیادہ آپ غور کریں گے اسی قدر زیادہ آپ پر اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھلے گا، اور آپکا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ ایسی بے نظیر تعلیم خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان کچھ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلوم وجہول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے، یہ زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اسکا دل چھوٹا ہے، زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصور اسکے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے خلق الانسان من عجل۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اسی نتیجہ کو نتیجہ اور اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اسکے سامنے آجائے اور اسکو محسوس ہوجائے دور رس نتائج تک اسکی نگاہ نہیں پہنچتی۔ اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں جن فائدوں کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے، انکا ادراک تو اسے مشکل ہی سے ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہیکہ ہر چیز میں یہ اپنی ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہوجائے اور اسکو محسوس ہوجائے، یہ کہتا ہیکہ جو کچھ میں نے کمایا ہے یا جو کچھ مجھے اپنے باپ دادا سے ملا ہے وہ میرا ہے اس میں کسی کا حصہ

نہیں۔ اسکو میری ضروریات پر، میری خواہشات پر، میری آسائش اور میری لذت نفس پر خرچ ہونا چاہیئے۔ یا کسی ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیئے جسکا نفع جلدی سے محسوس صورت میں میرے پاس پلٹ آئے، میں روپیہ صرف کروں تو اسکے بدلہ میں یا تو میرے پاس اس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیئے یا میری آسائش میں مزید اضافہ ہونا چاہیئے۔ یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے، میری شہرت ہو، میری عزت بڑھے، مجھے کوئی خطاب ملے اونچی کرسی ملے لوگ میرے سامنے جھکیں، اور زبانوں پر میرا چرچا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ قریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہے یا آوارہ پھر رہا ہے تو میں کیوں اسکی خبر گیری کروں؟ اسکا حق اسکے باپ پر تھا، اسے اپنی اولاد کیلئے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیئے تھا یا انشورنس کرانا چاہیئے تھا۔ کوئی بیوہ اگر میرے محلے میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اسکے شوہر کو اسکی فکر کرنی چاہیئے تھی۔ کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بے وقوف اپنا انتظام کئے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے، اسے بھی اللہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہئیں۔ میں اسکی کیوں مدد کروں؟ میں اسے دوں گا تو قرض دوں گا اور اصل کے ساتھ سود بھی وصول کروں گا کیونکہ میرا روپیہ کچھ بیکار تو ہے نہیں، میں اس سے مکان بنواتا، یا موٹر خریدتا، یا کسی نفع کے کام پر لگاتا، یہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اٹھائے گا۔ پھر کیوں نہ میں اس فائدے میں سے اپنا حصہ وصول کروں؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کیلئے کرے گا۔ جہاں اسکو اپنا فائدہ نظر نہ آئے گا وہاں ایک بھی پیسہ بھی اسکی جیب سے نہ نکلے گا۔ اگر کسی غریب آدمی کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اسکی مدد نہ کرے گا، بلکہ اسکو لوٹے گا اور جو کچھ اسے دے گا اس سے زیادہ وصول کرلے گا۔ اگر کسی مسکین کو کچھ دیگا تو اس پر ہزاروں احسان رکھ کر اسکی آدھی جان نکال لے گا۔ اور اسکی اتنی تحقیر و تذلیل کرے گا کہ اس میں کوئی خودداری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے جن کاموں میں اسکی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اسکی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اسکے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کیلئے مہلک نہیں ہیں بلکہ آخر کار خود اس شخص کیلئے بھی نقصاندہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اسکو اپنے لئے فائدہ مند سمجھتا ہے جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بیشمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولتمند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہے۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اسکی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے، اس میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسکے اخلاق گرنے لگتے ہیں، وہ اپنی ضروریات پوری

کرنے کیلئے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہیکہ وہ لوٹ مار پر اتر آتی ہے، عام بلوے ہوتے ہیں، دولتمند لوگ قتل کئے جاتے ہیں، انکے گھر بار لوٹے جاتے ہیں، اور جلائے جاتے ہیں اور وہ اسطرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ انکا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

اگر آپ غور کریں تو آپکو معلوم ہوسکتا ہیکہ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جسکے دائرے میں وہ رہتا ہے آپکے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس میں سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر آپکے پاس پلٹ آئے گی اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اسکو اپنے پاس جمع رکھیں گے یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے تو بلا آخر گھٹتی چلی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے تعلیم دے کر اس قابل بنا دیا کہ وہ آپکی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا، اور ظاہر ہیکہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ، جو جماعت کے ایک فرد ہیں، آپکو بھی اس دولت میں سے بہر حال حصہ ملے گا، خواہ آپکو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہوسکے کہ یہ حصہ آپکو اس خاص یتیم کی قابلیت سے پہنچا ہے جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ لیکن اگر آپ نے خودغرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اسکی مدد کیوں کروں، اسکے باپ کو اس کیلئے کچھ نہ کچھ چھوڑنا چاہئے تھا، تو وہ آوارہ پھرے گا، ایک بیکار آدمی بن کر رہ جائے گا، اس میں یہ قابلیت ہی پیدا نہ ہوسکے گی کہ وہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کرسکے۔ بلکہ کچھ عجب نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپکے گھر میں نقب لگائے۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو بیکار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اسکا ہی نہیں، خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر قیاس کرکے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپکو پتہ چلے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کیلئے روپیہ صرف کرتا ہے، اسکا روپیہ ظاہر میں تو اسکی جیب سے نکل جاتا ہے، مگر با ہر وہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں وہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی کی جیب میں واپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا۔ اور جو شخص خودغرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا، وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے، یا سود کھا کر اسے اور بڑھاتا ہے، مگر حقیقت میں اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔ یہی راز ہے جسکو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اسطرح بیان فرمایا ہیکہ

(البقرہ : ۲۷۶)

ترجمہ: یعنی "اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے"۔

(الروم: ۳۹)

(الروم: ۳۹)

ترجمہ: یعنی "تم جو سود دیتے، اس غرض کیلئے کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے، تو دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی، البتہ جو زکوۃ تم محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے دو، وہ دگنی، چوگنی چلی جاتی ہے"۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اسکے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اسکی جہالت معنی ہے۔ یہ محسوسات کا بندہ ہے۔ جو روپیہ اسکی جیب میں ہے اسکو تو یہ دیکھ سکتا ہیکہ اسکی جیب میں ہے۔ جو روپیہ اسکے بہی کھاتے کی رو سے بڑھ رہا ہے، اسکو بھی یہ جانتا ہیکہ واقعی بڑھ رہا ہے مگر جو روپیہ اسکے پاس سے چلا جاتا ہے اسکو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے، کس طرح بڑھ رہا ہے، کتنا بڑھ رہا ہے اور کب اسکے پاس فائدوں اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے؟ یہ تو بس یہی سمجھتا ہے اس قدر روپیہ میرے پاس سے گیا اور ہمیشہ کیلئے چلا گیا۔ اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سودخوری پر چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جارہا ہے، جسکے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جس سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب وتمدن کی ساری بساط بھی الٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اس حکیم و دانا ہستی نے حل کیا ہے جسکی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس قفل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا اصل مالک خدا ہے اور انسانی معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ ہے اور خدا کے پاس ایک ایک ذرہ کا حساب ہے، اور انسان کی ساری بھلائیوں اور برائیوں کی آخری جزا و سزا ٹھیک حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی تو اس کیلئے یہ بالکل آسان ہو جائے گا کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسے کرے اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے اور اسکے نفع و نقصان کو خدا پر چھوڑ دے۔ اس ایمان کیساتھ وہ جو کچھ خرچ کرے گا وہ دراصل خدا کو دے گا۔ اسکا حساب کتاب بھی خدا کے بہی کھاتے میں لکھا جائے گا خواہ دنیا میں کسی کو اسکے احسان کا علم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کے علم میں وہ ضرور آئے گا اور خواہ کوئی اسکا احسان مانے یا نہ مانے خدا اسکے احسان کو ضرور مانے اور جانے گا اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہیکہ وہ اسکا بدلہ دے گا تو یقین ہیکہ وہ اسکے بدلہ ضرور دے گا، خواہ آخرت میں دے، یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام

برادران اسلام! اللہ تعالی نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ایک عام حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کردی جاتی ہے تاکہ اسکی خاص طور پابندی کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھئے، اللہ کی یاد ایک بھلائی ہے، سب سے بڑی بھلائی اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ اس کیلئے عام حکم ہیکہ اللہ کو ہمیشہ ہر حال میں ہروقت یاد رکھو اور کبھی اس سے غافل نہ ہو:

(النساء: ۱۰۲)

ترجمہ: یعنی ''کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کی یاد میں لگے رہو''۔

(الانفال: ۴۵)

ترجمہ: یعنی ''اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

(ال عمران : ۱۹۱۔۱۹۰)

ترجمہ: یعنی ''بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں، جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے رہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین کی بناوٹ پر غور کر کے بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار تو نے یہ کارخانہ بے کار نہیں بنایا''۔

(الکہف: ۲۸)

ترجمہ: یعنی ''اور اس شخص کی بات نہ مانو جسکے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل پایا اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا اور جسکے سارے کام حد سے گذرے ہوئے ہیں''۔

یہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہیکہ ہمیشہ ہر حال میں خدا کی یاد جاری رکھو، کیونکہ خدا کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کے معاملات کو درست رکھتی ہے اور اسکو سیدھے راستے پر قائم رکھتی ہے۔ جہاں آدمی اسکی یاد سے غافل ہوا اور بس نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں نے اس پر قابو پالیا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہیکہ وہ راہ راست سے بھٹک کر اپنی زندگی کے معاملات میں حد سے گذرنے لگے گا۔

دیکھئے! یہ تو تھا عام حکم۔ اب اسی یادالٰہی کی ایک خاص صورت تجویز کی گئی ہے۔ نماز اور نماز میں بھی پانچ وقت میں چند رکعتیں فرض کردی گئیں جن میں بیک وقت پانچ دس منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔ اس طرح چند منٹ اس وقت اور چند منٹ اس وقت یادالٰہی کو فرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہیکہ بس آپ اتنی ہی دیر کیلئے خدا کو یاد کریں اور باقی وقت اسکو بھول جائیں۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہیکہ کم ازکم اتنی دیر کیلئے تو تم کو بالکل خدا کی یاد میں لگ جانا چاہئے۔ اسکے بعد اپنے کام ہی کرتے رہو اور انکو کرتے ہوئے خدا کو بھی یاد کرو۔

بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے۔ یہاں بھی ایک عام حکم ہے اور ایک خاص۔ ایک طرف تو یہ ہیکہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے۔ اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حدو حساب مخلوق پر اپنے فیض کے دریا بہا رہا ہے، حالانکہ کسی کا اس پر کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہے۔ راہ خدا میں جو کچھ خرچ کرسکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو بچاؤ اور اس سے خدا کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ دین کی خدمت میں اور اللہ کے کر ما بلند کرنے میں جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کردو۔ یہ تو ہے عام حکم۔ اور اسکے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہیکہ اس قدر مال اگر تمہارے پاس جمع ہو تو اس میں کم ازکم اتنا خدا کی راہ میں ضرور صرف کرو اتنی پیداوار تمہاری زمین میں ہو تو اس میں سے کم ازکم اتنا حصہ تو ضرور خدا کی نظر کردو۔ پھر جسطرح چند رکعت نماز فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہیکہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت ہی خدا کو یاد کرو اور باقی سارے وقتوں میں اس بھول جاؤ اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے، اسکا مطلب بھی یہ نہیں ہیکہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو بس انہی کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہئے اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انہیں اپنی مٹھیاں بھینچ لینی چاہئیں۔ اور اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہیکہ مالدار لوگوں پر جتنی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں، اور اسکے بعد کوئی ضرورتمند آئے تو اسے جھڑک دیں، یا دین کی خدمت کا موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوٰۃ دے چکے اب ہم سے ایک پائی کی بھی امید نہ رکھو۔ زکوٰۃ فرض کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب دراصل یہ ہیکہ کم ازکم اتنا مال تو ہر مالدار کو راہ خدا میں دینا ہی پڑے گا اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اسکو صرف کرنا چاہئے۔

اب میں آپکے سامنے پہلے عام حکم کی تھوڑی سی تشریح کروں گا۔ پھر دوسرے خطبہ میں خاص حکم بیان کروں گا۔

قرآن مجید کی یہ خصوصیت ہیکہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اسکی حکمتیں اور مصلحتیں بھی خود ہی بتا دیتا ہے، تاکہ محکوم کو حکم کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے اور اسکا فائدہ کیا ہے؟ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے اس آیت پر آپکی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے۔

(البقرہ: ۳۔ ۲)

(البقرہ:۳۔۲)

ترجمہ: یعنی ''یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ۔ یہ ان پرہیز گاروں لوگوں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں''۔

اس آیت میں یہ اصل الاصول بیان کردیا گیا ہیکہ دنیا کی زندگی میں سیدھے راستہ پر چلنے کیلئے تین چیزیں لازمی طور پر شرط ہے ایک ایمان بالغیب (جس میں خدا اور آخرت اور وحی سب ہی امور غیب پر ایمان لانا شامل ہے) دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے جو رزق بھی اللہ نے دیا ہو اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنا۔ دوسرے جگہ ارشاد ہوتا ہیکہ:

(ال عمران: ۹۲)

ترجمہ: یعنی ''تم نیکی کا مقام پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں وہ چیزیں نہ خرچ کرو جن سے تم کو محبت ہے''۔

پھر فرمایا

(البقرہ: ۲۶۸)

ترجمہ: یعنی '' شیطان تم کو ڈراتا ہیکہ خرچ کروگے تو فقیر ہوجاؤ گے وہ تمہیں شرمناک چیز یعنی بخیلی کی تعلیم دیتا ہے''۔

اسکے بعد ارشاد ہوا:

(البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: یعنی ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو (کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے معنی ہلاکت اور بربادی میں ہے)''۔

آخر میں فرمایا

(الحشر:۹)

ترجمہ: یعنی ''اور تنگ دلی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

ان سب آیات سے معلوم ہوتاہیکہ دنیا میں انسان کیلئے زندگی بسر کرنے کے دو راستہ ہیں۔ایک راستہ تو خدا کا ہے جس میں نیکی اور بھلائی اور فلاح اور کامیابی ہے، اور اس راستہ کا قاعدہ یہ ہیکہ آدمی کا دل کھلا ہوا ہو، جو رزق بھی تھوڑا یا بہت اللہ نے دیا ہو اس سے خود اپنی ضرورتیں بھی پوری کرے اپنے بھائیوں کی بھی مدد کرے، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے بھی خرچ کرے۔ دوسرا راستہ شیطان کا ہے جس میں بظاہر تو آدمی کو فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں، اور اس راستہ کا قاعدہ یہ ہیکہ آدمی دولت سمیٹنے کی کوشش کرے ، پیسے پیسے پر جان دے اور اسکو دانتوں سے پکڑ پکڑ کر رکھے تاکہ خرچ نہ ہونے پائیں اور خرچ ہو بھی تو بس اپنے ذاتی فائدے اور اپنے نفس کی خواہشات پر ہی ہو۔

اب دیکھئے کہ خدائی راستہ پر چلنے والوں کیلئے راہ خدا میں خرچ کرنے کے کیا طریقہ بیان ہوئے ہیں۔ان سب کو نمبروار بیان کرتا ہوں:

سب سے پہلی بات یہ ہیکہ خرچ کرنے میں صرف خدا کی رضا اور اسکی خوشنودی مطلوب ہو، کسی کو احسان مند بنانے یا دنیا میں نام پیدا کرنے کیلئے خرچ نہ کیا جائے:

(البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: یعنی ''تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمہارا اور کوئی مقصود نہیں ہوتا''۔

(البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: یعنی ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کردو جو لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتا ہے اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔اسکے خرچ کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اس پر زور مینہ برسے تو ساری مٹی بہہ جائے اور بس صاف چٹان کی چٹان رہ جائے''۔

دوسری بات یہ ہیکہ کسی کو پیسہ دے کر یا روٹی کھلا کر یا کپڑا پہنا کر احسان نہ جتایا جائے اور ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جس سے اسکے دل کو تکلیف ہو:

(البقرہ: ۲۶۲)

ترجمہ: یعنی ”جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کرکے احسان نہیں جتاتے اور تکلیف نہیں پہنچاتے، ان کیلئے خدا کے ہاں اجر ہے اور انہیں کسی نقصان کا خوف یا رنج نہیں۔ رہی وہ خیرات جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے تو اس سے تو یہی بہتر ہیکہ سائل کو نرمی سے ٹال دیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ بھائی معاف کرو“۔

تیسرا قاعدہ یہ ہیکہ خدا کی راہ میں اچھا مال دیا جائے، برا چھانٹ کر نہ دیا جائے۔ جو لوگ کسی غریب کو دینے کیلئے پھٹے پرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں یا کسی فقیر کو کھلانے کیلئے بدتر سے بدتر کھانا نکالتے ہیں، انکو بس ایسے ہی اجر کی خدا سے بھی توقع رکھنی چاہیئے۔

(البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: یعنی ”اے ایمان لانے والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال خدا کی راہ میں دو۔ یہ نہ کرو کہ خدا کی راہ میں دینے کی لئے برا سے برا تلاش کرنے لگو“۔

چوتھا قاعدہ یہ ہیکہ جہاں تک ممکن ہو چھپا کر خرچ کیا جائے تاکہ ریا اور نمود کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اگرچہ کھلے طریقے سے بھی خرچ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر ڈھانک چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

(البقرہ: ۲۷۱)

ترجمہ: یعنی ”اگر کھلے طریقہ سے خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر غریب لوگوں کو دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمہارے گناہ دھلتے ہیں“۔

پانچواں قاعدہ یہ ہیکہ کم عقل اور نادان لوگوں کو انکی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے کہ بگڑ جائیں اور بری عادتوں میں پڑ جائیں۔ بلکہ انکو جو کچھ دیا جائے انکی حیثیت کے مطابق دیا جائے۔ اللہ تعالی یہ چاہتا ہیکہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو ہر برے سے برے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہیئے مگر شراب نوشی اور چانڈو اور گانجہ اور جوئے بازی کیلئے لفنگے آدمیوں کو پیسہ نہ دینا چاہیئے۔

(النساء: ۵)

ترجمہ: یعنی ”اپنے اموال جنکو اللہ نے تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، نادان

لوگوں کے حوالے نہ کرو البتہ ان اموال میں سے انکو کھانے اور پہننے کیلئے دو"۔

چھٹا قاعدہ یہ بیان ہوا ہیکہ اگر کسی غریب آدمی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے اسکو قرض حسن دیا جائے تو تقاضہ کر کے اسے پریشان نہ کیا جائے بلکہ اسکو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے۔ اور اگر واقعی یہ معلوم ہو کہ وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اتنا مال جمع رکھتے ہو کہ اسکو آسانی کے ساتھ معاف کر سکتے ہو تو بہتر یہ ہیکہ معاف کر دو۔

(البقرہ: ۲۸۰)

ترجمہ: یعنی "اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو اسے خوش حال ہونے تک مہلت دو اور صدقہ کر دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم اسکا فائدہ جانو"۔

ساتواں قاعدہ یہ ارشاد ہوا ہیکہ آدمی کو خیرات کرنے میں بھی حد سے نہ گذرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں ہیکہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا کاٹ کاٹ کر سب کچھ خیرات میں دے ڈالا جائے، بلکہ وہ چاہتا ہیکہ سیدھے سادھے طریقہ سے زندگی بسر کرنے کیلئے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔

(البقرہ: ۲۱۹)

ترجمہ: یعنی "پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اے نبی کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو"۔

(الفرقان: ۶۷)

ترجمہ: یعنی "اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں بلکہ انکا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہو"۔

(بنی اسرائیل: ۲۹)

ترجمہ: یعنی "نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے اور نہ تو اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں"۔

آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کی پوری فہرست بتا دی ہے جسکو دیکھ کر آپکو معلوم ہو سکتا ہیکہ کون کون لوگ آپکی مدد کے مستحق ہیں اور کن کا حق اللہ نے آپکی کمائی میں رکھا ہے۔

(بنی اسرائیل: ۲۶)

ترجمہ: یعنی ''اپنے غریب رشتہ دار کو اسکا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو''۔

(البقرہ: ۱۷۷)

ترجمہ: یعنی ''اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور ایسے لوگوں کو جنکی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں''۔

(النساء: ۳۶)

ترجمہ: یعنی ''نیک سلوک کیا جائے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں سے اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبیوں پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی اور غلاموں سے''۔

(الدھر: ۹.۸)

ترجمہ: یعنی ''اور نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کیلئے کھلا رہے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے ہم کو تو اپنے خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جسکی شدت کی وجہ سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائیں گی (یعنی قیامت)''۔

(الذاریات: ۱۹)

ترجمہ: یعنی ''اور انکے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والوں کا اور اس شخص کا جو محروم ہو''۔

(البقرہ: ۲۷۳)

ترجمہ: یعنی ''خیرات ان حاجت مندوں کیلئے ہے جو اپنا سارا وقت خدا کے کام میں دے کر ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی روٹی کمانے کیلئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ انکی خودداری کو دیکھ کر ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ غنی ہے مگر انکی صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ ان پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ ایسے لوگ نہیں ہیکہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر مانگتے پھریں۔ جو کچھ بھی تم خیرات کرو گے اللہ کو اسکی خبر ہوگی، اور وہ اسکا بدلہ دے گا''۔

زکوٰۃ کے خاص احکام

برادران اسلام! پچھلے خطبے میں آپکے سامنے انفاق فی سبیل اللہ (یعنی راہ خدا میں خرچ کرنے) کے عام احکام بیان کر چکا ہوں۔ اب میں اس حکم کے دوسرے حصہ کی تفصیلات بیان کرتا ہوں جو زکوٰۃ سے متعلق ہے، یعنی جسے فرض کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:۔

(البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: یعنی ''جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔

۲۔ اور انعام میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے باغ اگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں لہٰذا:

(الانعام: ۱۴۱)

ترجمہ: یعنی ''اسکی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور فصل کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو''۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار سے متعلق ہیں۔ اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خودرو پیداوار مثلاً لکڑی اور گھاس اور بانس کے سواء غلہ، ترکاری، اور پھلوں کی قسم سے نکلی ان سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہئے۔ حدیث میں آتا ہیکہ جو پیداوار آسمانی بارش سے ہو اس میں اللہ کا حق دسواں حصہ ہے اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش یعنی آبپاشی سے ہو اس میں اللہ کا حق بیسواں حصہ ہے اور یہ حصہ پیداوار کٹنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ اسکے بعد سورہ توبہ میں آتا ہیکہ:

(التوبہ: ۳۴)

ترجمہ: یعنی ''جولوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اوراس میں سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب کی خبر دےدو۔اس دن کے عذاب کی جب انکے اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائیگا اوراس سے انکی پیشانیوں اور انکے پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، اب اپنے ان خزانوں کا مزہ چکھو''۔

پھر فرمایا

(التوبہ: ٦٠)

ترجمہ: یعنی ''صدقات (یعنی زکوٰۃ) اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرض ہے۔فقراء کیلئے مساکین کیلئے اوران لوگوں کیلئے جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر رہوں اور ان کیلئے جنکی تالیف قلب منظور ہو اور گردنیں چھڑانے کیلئے اور قرضداروں کیلئے اور راہ خدا میں اور مسافروں کیلئے، اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

اسکے بعد فرمایا:

(التوبہ: ١٠٣)

ترجمہ: یعنی ''انکے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کر کے انکو پاک اور صاف کردو''۔

ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مال جمع کیا جائے اور بڑھایا جائے، اوراس میں سے راہ خدا میں صرف نہ کیا جائے وہ ناپاک ہوتا ہے۔اسکے پاک کرنیکی صورت صرف یہ ہیکہ اس میں سے خدا کا حق نکال کر اسکے بندوں کو دیا جائے۔حدیث میں آتا ہیکہ جب سونا اور چاندی جمع کرنے والوں پر عذاب کی دھمکی آئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے کیونکہ اسکے معنی تو یہ ہوتے تھے کہ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھو، سب خرچ کرڈالو۔آخر کار حضرت عمرؓ حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قوم کی پریشانی کا حال عرض کیا۔آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو تم پر اسی لئے فرض کیا ہیکہ باقی اموال تمہارے لئے پاک ہوجائیں۔ایسی ہی روایت حضرت ابوسعید قدریؓ سے مروی ہیکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال دی تو جو حق تجھ پر واجب تھا وہ ادا ہوگیا۔

آیت مذکورہ بالا میں تو صرف زمین کی پیداوار اور سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کی حکم ملتا ہے۔لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہیکہ تجارتی مال، اونٹ، گائے اور بکریوں میں بھی زکوٰۃ ہے۔

چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ کے قریب ہے۔سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ۔

اونٹ کا نصاب پانچ نوٹ۔ بکریوں کا نصاب چالیس بکریاں۔ گائے کا نصاب تیس گائیں اور تجارتی مال کا نصاب کا ساڑھے باون تولے چاندی کے بقدر مالیت۔

جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے۔ چاندی اور سونے کے متعلق حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں الگ الگ بقدر نصاب نہ ہوں لیکن دونوں مل کر کسی ایک کے نصاب کے حد تک انکی قیمت پہنچ جائے تو ان میں سے زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔ سونا چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک انکی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے یہی قول لیا ہے۔ حدیث میں آتا ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو؟ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اسکے بدلہ آگ کے کنگن تجھے پہنائیں جائیں۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہیکہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا یہ کنز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس میں سونے کی مقدار نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہے اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کنز نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہیکہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں تب بھی اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے جس طرح نقد کی صورت میں ہونے پر ہے۔ البتہ جواہر اور نگینوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حقدار بیان کئے گئے ہیں۔ جنکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ فقراء۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہے مگر انکی ضرورت کیلئے کافی نہ ہو۔ تنگدستی میں گذر بسر کرتے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔ امام زہری، امام ابو حنیفہ، ابن عباس، حسن بصری، ابوالحسن کرخیؒ، اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی یہی تعریف فرمائی ہے۔

۲۔ مساکین۔ یہ بہت ہی تباہ حال لوگ ہے جنکے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کیلئے بھی کچھ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے ہیں جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں مگر انہیں روزگار نہ ملتا ہو۔

۳۔ عاملین علیہ۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے مقرر کرے۔ انکو زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دی جائے گی۔

۴۔ مولفتہ القلوب۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنکو اسلام کی حمایت کیلئے یا اسلام کی مخالفت سے روکنے کیلئے روپیہ دینے کی ضرورت پیش آئے۔ نیز ان میں وہ نو مسلم بھی داخل ہیں جنہیں مطمئن کرنے کی ضرورت ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی کافر قوم کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آملنے کی وجہ سے بیروزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو تب تو اسکی مدد کرنا مسلمانوں پر ویسے ہی فرض ہے لیکن اگر وہ مالدار ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تاکہ اسکا دل اسلام پر جم

جائے۔ جنگ حنین کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مال غنیمت میں سے نو مسلموں کو بہت مال دیا حتی کہ ایک ایک شخص کے حصہ میں سو سو اونٹ آئے اور انصار نے اسکی شکایت کی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ ابھی ابھی کفر سے اسلام میں آئے ہیں میں انکے دل کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بناء پر امام زہری نے مولفتہ القلوب کی تعریف یوں بیان کی ہیکہ جو عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو اگر چہ مالدار ہی کیوں نہ ہوا۔ (اس مسئلہ میں جو فقہی بحثیں پیدا ہوتی ہیں ان پر گفتگو کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے ان پر ہم نے اپنی کتاب تفہیم القرآن جلد دوم میں بسلسلہ تفسیر سورہ توبہ مفصل کلام کیا ہے)

۵۔ فی الرقاب۔ اس سے مطلب یہ ہیکہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہوں اسکو زکوٰۃ دی جائے تا کہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑا لے۔ آج کل کے زمانے میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اسلئے جو لوگ جرمانہ ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں انکو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد کی جاسکتی ہے۔ یہ بھی فی الرقاب کی تعریف میں آجاتا ہے۔

۶۔ الغارمین۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہیکہ آدمی کے پاس ہزار روپیہ ہو اور سو روپیہ کا قرضدار ہو تو بھی اسکو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مطلب یہ ہیکہ جس پر اتنا قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اسکے پاس مقدار نصاب سے کم مال بچتا ہو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقہا کرام نے یہ بھی فرمایا ہے جو شخص اپنی فضول خرچیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے قرضدار ہوا ہو اسکو قرض دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ پھر وہ اس بھروسہ پر اور زیادہ جرأت کے ساتھ بدکاریاں اور فضول خرچیاں کرے گا کہ زکوٰۃ لے کر قرض ادا کروں گا۔

۷۔ فی سبیل اللہ۔ یہ عام لفظ ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے لیکن خاص طور پر اس سے مراد دین حق کا جھنڈا بلند کرنیکی جدوجہد میں مدد کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہیکہ زکوٰۃ لینا کسی مالدار آدمی کیلئے جائز نہیں۔ لیکن اگر مالدار آدمی جہاد کیلئے مدد کا حاجتمند ہو تو اسے زکوٰۃ دینی چاہئے۔ اسلئے کہ ایک شخص مالدار ہی لیکن جہاد کیلئے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں انکو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کرسکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اسکی مدد کرنی چاہئے۔

۸۔ ابن السبیل یعنی مسافر۔ اگر چہ مسافر کے پاس اسکے وطن میں کتنا ہی مال ہو لیکن حالت مسافرت میں اگر وہ محتاج ہے تو اسے زکوٰۃ دینی چاہئے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہیکہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہئے اور کس حال میں نہ دینی چاہئے؟ اسکی بھی تھوڑی سی تفصیل آپکے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔

۱)۔ کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ

نہیں دے سکتی۔ اس میں فقہا کا اتفاق ہے۔ بعض فقہا یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسے قریبی عزیزوں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے جنکا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمہارے شرعی وارث ہوں، البتہ دور کے عزیز زکوٰۃ کے حقدار ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نکال کر اپنے ہی عزیزوں کو نہ ڈھونڈتے پھرو۔

۲)۔ زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے، غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں زکوٰۃ کی تعریف یہ آئی ہیکہ یعنی ''وہ تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے ہی فقیروں میں تقسیم کردی جائے گی''۔ البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں سے حصہ دیا جاسکتا ہے، بلکہ عام خیرات میں یہ تمیز کرنا اچھا نہیں ہیکہ مسلمان کو دی جائے اور غیر مسلم مدد کا محتاج ہو تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے۔

۳)۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے غریبوں میں صرف ہونی چاہئے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں بھیجنا اچھا نہیں ہے الا یہ کہ وہاں کوئی حقدار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آ گئی ہو کہ دور نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچنی ضروری ہو، جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔ قریب قریب یہی رائے امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کی بھی ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہیکہ ایک جگہ سے دوسرے جگہ زکوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے۔

۴) بعض بزرگوں کا خیال ہیکہ جس شخص کے پاس دو وقت کے کھانے کا سامان ہو اسے زکوٰۃ نہ لینے چاہئے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جسکے پاس ۱۰ روپے اور بعض فرماتے ہیں کہ جسکے پاس ساڑھے بارہ روپے موجود ہوں اسے زکوٰۃ نہ لینی چاہئے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور تمام حنفیہ کی رائے یہ ہیکہ جسکے پاس پچاس روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس میں مکان اور گھر کا سامان اور گھوڑا اور خادم شامل نہیں ہیں یعنی یہ سب سامان رکھتے ہوئے بھی جو شخص پچاس روپے سے کم مال رکھتا ہو وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے، اس معاملہ میں ایک چیز تو ہے قانون، اور دوسری چیز ہے درجہ فضیلت، ان دونوں میں فرق ہے۔ درجہ فضیلت تو یہ ہیکہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص صبح و شام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو وہ اگر سوال کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اپنے حق میں آگ جمع کرتا ہے، دوسری حدیث میں ہیکہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسکو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص لکڑیاں کاٹے اور اپنا پیٹ بھرے بہ نسبت اسکے کہ سوال کیلئے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔ تیسری حدیث میں ہیکہ جسکے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اسکا یہ کام نہیں ہیکہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ اولوالعزمی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بتانی ضروری ہیکہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حقدار رہے؟ سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے، مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی الفرس یعنی سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے پاس دس روپے ہیں، کیا میں مسکین ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آکر حضورؐ سے زکوٰۃ مانگی۔ آپ نے نظر اٹھا کر انہیں غور سے دیکھا پھر فرمایا، اگر تم لینا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا لیکن اس مال میں غنی اور کمانے کے قابل ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہیکہ جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہوں وہ فقراء

کے ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہیکہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصلی حاجت مندوں ہی کو پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ کے ضروری احکام میں نے بیان کردیئے ہیں لیکن ان سب کے ساتھ ایک اہم اور ضروری چیز اور بھی ہے جس کی طرف آپکو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مسلمان آج کل اسکو بھول گئے ہیں وہ یہ ہیکہ اسلام میں تمام کام نظام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ آپ مسجد سے دور رہوں اور الگ نماز پڑھ لیں تو ہوجائے، مگر شریعت تو یہی چاہتی ہیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اسی طرح نظام جماعت نہ ہوتو الگ الگ زکوٰۃ نکالنا اور خرچ کرنا بھی صحیح ہے، لیکن کوشش یہی ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے تاکہ وہاں سے وہ ایک ضابطہ کے ساتھ خرچ ہو۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے مثلاً فرمایا

عربی

ترجمہ: یعنی ''اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپؐ ان سے زکوٰۃ وصول کریں''۔

مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم زکوٰۃ نکال کر الگ الگ خرچ کردو، اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا حق مقرر کرنے سے بھی صاف معلوم ہوجاتا ہیکہ زکوٰۃ کا صحیح طریقہ ہیکہ مسلمانوں کا امام اسکو باقاعدہ وصول کرے اور باقاعدہ خرچ کرے۔ اسی طرح نبی کریمؐ نے فرمایا۔

عربی

ترجمہ: یعنی ''مجھے حکم دیا گیا ہیکہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کردوں''۔

اسی طریقے پر نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین کا عمل بھی تھا۔ تمام زکوٰۃ حکومت اسلام کے کارکن جمع کرتے تھے اور مرکز کی طرف سے اسکو تقسیم کیا جاتا تھا۔ آج اگر اسلام حکومت نہیں ہے اور زکوٰۃ جمع کرکے باضابطہ تقسیم کرنے کا انتظام بھی نہیں ہے تو آپ علاحدہ علاحدہ اپنی زکوٰۃ نکال کر شرعی مصارف میں خرچ کرسکتے ہیں، مگر تمام مسلمانوں پر لازم ہیکہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کیلئے ایک اجتماعی نظام بنانے کی فکر کریں کیونکہ اسکے بغیر زکوٰۃ کی فرضیت کے فوائد ادھورے رہ جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج

برادران اسلام! پچھلے خطبات میں نماز روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق آپکو تفصیل کے ساتھ بتایا جا چکا ہیکہ یہ عبادتیں انسان کی زندگی کسطرح اسلام کے سانچے میں ڈھالتی اور اسکو اللہ کی بندگی کیلئے تیار کرتی ہیں۔ اب اسلام کی فرض عبادتوں میں سے صرف حج باقی ہے۔ جس کے فائدے مجھے آپکے سامنے بیان کرنے ہیں۔

حج کے معنی

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد کرتے ہیں، اس لئے اسکا نام حج رکھا گیا۔

حج کی ابتداء

سب سے پہلے اس کی ابتداء جسطرح ہوئی اسکا قصہ بڑا سبق آموز ہے، اس قصے کو غور سے سنئے تاکہ حج کی حقیقت اچھی طرح آپکے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر اسکے فائدوں کا سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں حالات

کون مسلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی انکو پیشوا مانتی ہے، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ تینوں انہی کی اولاد سے ہیں۔ انہی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدت گذری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا انسان نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو۔ اور صرف اسی کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو جس قوم میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اس زمانہ میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں ترقی کر لینے کے باوجود ان لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان کے ہاں ستاروں اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا خوب چرچا تھا جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں اسی طرح اس زمانہ میں بھی

پجاریوں کا ایک طبقہ ہوتا تھا جو مندروں کی محافظت بھی کرتا، لوگوں کو پوجا بھی کراتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی کراتا اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے میں ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ ان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بری قسمت کا مالک سمجھتے تھے، انہی کے اشاروں پر چلتے تھے، اور بے چون چراں ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان پجاریوں کی پہنچ ہے۔ یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی۔ ورنہ ہم تباہ ہوجائیں گے، پجاریوں کے اس گروہ کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار تھے اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک ہے، ملک اور رعیت کا مالک ہے، اس کی زبان قانون ہے اور اسکو رعایا کی جان و مال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پورے بندگی کے مراسم بجالائے جاتے تھے، تاکہ رعایا کے دل و دماغ پر ان کی خدائی کا خیال مسلط ہوجائے۔

حضرت ابراہیمؑ کا گھرانا

ایسے زمانے میں ایسی قوم میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور لطف یہ ہیکہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پجاریوں کا گھرانہ تھا ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیروں اور پیرزادوں کے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدی ان کے لئے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے انکا خاندان مالامال ہورہا تھا ان کیلئے حاضر تھے، اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑے اور عقیدت سے سر جھکانے کیلئے موجود تھے، اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنی کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا، نہ تو انکو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہوجاتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعلان برأت

مگر حضرت ابراہیمؑ کوئی معمولی آدمی نہ تھے، کسی اور ہی مٹی سے انکا خمیر بنا تھا، ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے سوچنا شروع کردیا کہ یہ سورج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کررہے ہیں اور یہ پتھر کے بت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم ہی جیسے انسان ہیں، آخر یہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟ جو بیچارے

خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی قدرت نہیں جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں ان کے پاس کیا دھرا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے ان سے اپنی حاجتیں مانگے، ان کی طاقت سے خوف کھائے اور ان کی خدمت گاری و فرمانبرداری کرے، زمین اور آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں ان میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو، اس جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے، جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو میں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں ان کے آگے بندگی واطاعت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں سب کی موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے ان کو میں ہرگز نہ پوجوں گا اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہہ دیا کہ۔

(الانعام: ۷۸)

ترجمہ: یعنی ’’جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں‘‘۔

(الانعام: ۷۹)

ترجمہ: یعنی ’’میں نے سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت و بندگی کیلئے خاص کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں‘‘۔

مصائب کے پہاڑ

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیمؑ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، باپ نے کہا میں عاق کر دوں گا اور گھر سے نکال باہر کر دوں گا قوم نے کہا ہم میں سے کوئی تمہیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا مگر وہ یکہ و تنہا انسان سب سے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا، باپ کو ادب سے جواب دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا، اس لئے بجائے اسکے کہ میں تمہاری پیروی کروں، تمہیں میری پیروی کرنی چاہئے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اسکے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کر دیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خود کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ کے بھرے دربار میں جا کر صاف کہہ دیا کہ تو میرا رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی اور موت ہے، اور جس کے قانون کی بندش میں سورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار میں فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے، مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والا انسان، جو خدائے واحد پر ایمان لا چکا تھا اس ہولناک سزا کو بھگتنے کیلئے بھی تیار ہو گیا۔ پھر

جب اللہ نے اپنی قدرت سے آگ میں جلنے سے بچالیا تو وہ اپنے گھر بار عزیز و اقارب قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اپنی بیوی اور ایک بھتیجے کو لے کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ جس شخص کیلئے اپنے گھر میں مہنت کی گدی موجود تھی جو اس پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیرو بن سکتا تھا دولت و عزت دونوں جس کے قدم چومنے کیلئے تیار تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اس مہنتی کی گدی پر مزے لوٹنے کیلئے چھوڑ سکتا تھا، اس نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے جلاوطنی اور بے سرو سامانی کی زندگی پسند کی۔ کیوں کہ دنیا کے جھوٹے خداؤں کے جال میں پھانس کر خود مزے کرنا اسے گوارا نہ تھا اور اسکے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خدا کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

ہجرت

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیمؑ شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہیکہ اس مسافرت کی زندگی میں ان پر کیا گذری ہوگی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے اور باہر نکل کر اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اسکے اپنے باپ نے اور اس کی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے ان لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی ماننے کو تیار تھا بلکہ دوسرے سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ الٹ دو اور صرف اس ایک کے بندے بن کر رہو، یہی وجہ ہیکہ حضرت ابراہیمؑ کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہتے، کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہو گئے۔

اولاد اور اس کی تربیت

اخیر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں صرف چار سال باقی تھے اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی، اللہ نے اولاد دی، لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو کم از کم اپنے بچوں کو ہی دنیا کمانے کا قابل بناؤں اور انہیں کسی ایسے کام پر لگاجاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے نہیں، اس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے خود اس نے اپنی عمر کھپادی تھی، کاش کوئی ایسا ہو اسکے مرنے کے بعد بھی اسی مشن کو پھیلاتا رہے اسی غرض کیلئے وہ اللہ سے اولاد کا آرزومند تھا اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے

کام کو جاری رکھنے کیلئے انہیں تیار کرے اس انسان کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ ابتدائے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پالیا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اسلم (اسلام لے آیا، اپنے آپکو میرے سپرد کردے، میرا ہوکررہ) اور اس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ:

(البقرہ: ۱۳۱)

ترجمہ: یعنی "میں نے اسلام قبول کیا، میں رب العالمین کا ہو گیا، میں نے اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دیا"۔

اس قول وقرار کو اس سچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھایا اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا، اور دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا، اپنی جان کو آپکے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں برداشت کیں ملک ملک کی خاک چھانی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اسکے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کیلئے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔

سب سے بڑی آزمائش

مگر ان آزائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتا ہے، اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جب کہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہے، اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العالمین کی خاطر قربان کرسکتا ہے یا نہیں، چنانچہ یہ آزائش بھی کر ڈالی گئی، اور جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا، تب فیصلہ فرمادیا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچا کر دکھایا۔ اب تم اسکے اہم ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہیکہ:

امامت عالم پر سرفرازی

(البقرہ: ۱۲۴)

ترجمہ: یعنی "اور ابراہیم کو اسکے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور ان میں پورا اتر گیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہو گے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا"۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ کو پیشوائی سونپی گئی اور وہ اسلام کی عالم گیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے اب ان کو اس تحریک کی اشاعت کیلئے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور ان کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی ان کیلئے قوت بازو ثابت ہوئے۔ ایک ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام، دوسرے ان کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ جنہوں نے یہ سن کر رب العالمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے، خود اپنی گردن خوشی خوشی چھری کے نیچے رکھ دی۔ تیسرے ان کے چھوٹے صاحب زادے حضرت اسحاق علیہ السلام۔

حضرت لوطؑ کو شرق اردن بھیجنا

بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بھیجا، جس کو آج کل شرق اردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں یہاں اس وقت کی سب سے زیادہ پاجی قوم رہتی تھی۔ اس لئے اس کی اصلاح مدنظر تھی اور ساتھ ہی دور دراز علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھی، کیونکہ ایران، عراق اور مصر کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلے سب اسی علاقے سے گزرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جاسکتا تھا۔

حضرت اسحاقؑ کو فلسطین بھیجنا

چھوٹے صاحب زادے حضرت اسحاق کو کنعان کے علاقہ میں آباد کیا جس کو آج کل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیا واقع ہے اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جاسکتا ہے یہیں سے حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسفؑ کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں رکھا

بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں مکے کے مقام پر رکھا اور ایک مدت تک خود ان کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی۔

تعمیر کعبہ

پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلام تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی، یہ عمارت محض ایک عبادت

گاہ ہی نہ تھی، جیسے مسجدیں ہوا کرتی ہیں، بلکہ اول روز ہی سے اس دین اسلام کی عالم گیر تحریک کا مرکز تبلیغ و اشاعت قرار دیا گیا تھا۔ اور اس کی غرض یہ تھی کہ ایک خدا کو ماننے والے ہر جگہ سے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہوا کریں۔ مل کر خدا کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، یہی اجتماع تھا جس کا نام ''حج'' رکھا گیا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا کن جذبات اور اور کن دعاؤں کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اٹھائیں اور کیسے حج کی ابتداء ہوئی۔ قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

(آل عمران: ۹۶.۹۷)

ترجمہ: یعنی ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا وہی تھی جو مکہ میں تعمیر ہوا برکت والا گھر اور سارے جہاں والوں کیلئے مرکز ہدایت، اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اسکو امن مل جاتا ہے''۔

(العنکبوت: ٦٧)

ترجمہ: یعنی ''کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پرامن حرم بنایا ہے، حالانکہ اسکے گردوپیش لوگ اچل لئے جاتے ہیں (یعنی جب کہ عرب میں ہر طرف لوٹ مار قتل و غارت گری اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا، حتی کہ وحشی بدو تک اسکے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرتے''۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعائیں

(البقرہ: ۱۲۵.۱۲۹)

ترجمہ: یعنی ''اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کیلئے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام عبادت کو جائے نماز بنالو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو

طواف کرنے والے اور ٹھہرنے والے اور رکوع و سجدہ کرنے والے لوگوں کیلئے پاک وصاف رکھو، اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار، اس شہر کو پر امن شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو۔۔۔۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ پروردگار ہماری اسک کوشش کو قبول فرما تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، پروردگار، اور تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گذار) بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے، پروردگار، اور تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے، یقیناً تو بڑی قوت والا ہے اور بڑا حکیم ہے"۔

(الابراھیم:۳۸۔۳۵)

ترجمہ: یعنی "اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار، اس شہر کو پر امن بنا اور مجھ کو اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہترے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار، میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو تیرے اس عزت والے گھر کے پاس اس بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا ہے تا کہ یہ نماز کا نظام قائم کریں۔ پس اے رب تو لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ ان کی طرف کھنچ کر آئیں اور ان کو پھلوں سے رزق پہنچا، امید ہیکہ یہ تیرے شکرگذار بنیں گے"۔

(الحج:۲۸۔۲۶)

ترجمہ: یعنی "اور جب ہم نے ابراہیم کیلئے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے

والوں کیلئے پاک وصاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام منادی کردو کہ تمہارے پاس آئیں، خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز مقام سے دبلی اونٹنیوں پر آئیں تاکہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کیلئے کیسے کیسے دینی اور دنیوی منافع ہیں اور ان چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگدست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں"۔

برادران اسلام! یہ ہے اس حج کی ابتداء کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالم گیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا، مکہ اسکے مشن کا صدر مقام تھا۔ کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی۔ اور حج کا طریقہ اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں جمع ہو کر اس مرکز کے گرد طواف کریں۔ گویا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جمالیں کہ ان کی زندگی اس پہیئے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دھرے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

حج کی تاریخ

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں آپکو بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتداء کس طرح اور کس غرض کیلئے ہوئی تھی۔ یہ بھی آپکو بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکے کو اس اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو بٹھایا تھا تاکہ آپکے بعد وہ اس تحریک کو جاری رکھیں۔

اولاد ابراہیمؑ میں بت پرستی کا رواج

خدا ہی بہتر جانتا ہیکہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کی اولاد کب تک اس دین پر قائم رہی جس پر ان کے باپ ان کو چھوڑ گئے تھے۔ بہر حال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور ان کے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ ان میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہوگئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی کعبے میں جسے ایک خدا کی پرستش کیلئے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا تھا، سینکڑوں بت رکھ دیئے گئے تھے اور غضب یہ ہیکہ خود حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو بھی بت بنا ڈالا گیا جنکی ساری زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیم حنیف کی اولاد نے لات، منات، ہبل، نشر، یغوث، عزیٰ، اساف، نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بت بنائے اور ان کو پوجا۔ چاند، عطارد، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔ جن، بھوت، پریت،

فرشتوں اور اپنے مردہ بزرگوں کی روحوں کو پوجا۔ جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بت انہیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے میں جو اچھا سا چکنا پتھر مل جاتا اسی کو پوج ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پنڈا سا بنا لیتے اور بکری کا دودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا ان کا خدا بن جاتا۔ جس مہنت گری اور پنڈتائی کے خلاف ان کے باپ ابراہیمؑ نے عراق میں لڑائی کی تھی، وہ خود انہیں کے گھر میں گھس آئی۔ کعبے کو انہوں نے ہری دوار یا بنارس بنا لیا، خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے۔ حج کو تیرتھ یاترا بنا کر اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کیلئے بنا تھا بت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے، اور پجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے انہوں نے عرب کے دور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں سے نذر چڑھاوے وصول کرنے شروع کر دیئے۔ اس طرح وہ سارا کام برباد ہو گیا جو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کر گئے تھے، اور جس مقصد کیلئے انہوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اس کی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

حج میں بگاڑ کی شکلیں

شعراء کے مقابلے

اس جاہلیت کے زمانے میں حج کی جو گت بنی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ ایک میلہ تھا جو سال کے سال لگتا تھا، بڑے بڑے قبیلے اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاو الگ ڈالتے۔ ہر قبیلے کا شاعر یا بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزت، طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ دوسرے کی ہجو تک نوبت پہنچ جاتی۔

جھوٹی سخاوت کے مظاہرے

پھر فیاضی کا مقابلہ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی جتانے کیلئے دیگیں چڑھاتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے اونٹ پر اونٹ کاٹتے چلے جاتے، اس فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر ان کا نام سارے عرب میں اونچا ہو جائے اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کیئے اور فلاں صاحب نے اتنوں کو کھانا کھلایا۔ ان مجلسوں میں راگ، رنگ، شراب خوری، زنا اور ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلے سے ہوتی تھی اور خدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔

برہنہ طواف

کعبے کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیمؑ کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی، تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے۔ خدا کا نام پکارا جاتا مگر کس شان سے؟ کہتے تھے:

''یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ سے تیرا شریک ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکیت کا بھی مالک ہے''۔

قربانی کا تصور

خدا کے نام پر قربانیاں کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبے کی دیواروں سے لتھیڑا جاتا اور گوشت دروازے پر ڈالا جاتا، اس خیال سے کہ نعوذباللہ یہ خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔

حرام مہینوں کی بے حرمتی

حضرت ابراہیمؑ نے حج کے چار مہینوں کو حرام ٹھہرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ان مہینوں میں کسی قسم کا جنگ و جدل نہ ہو۔ یہ لوگ اس حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے، مگر جب لڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینے کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال اس کا بدلا کر دیتے تھے۔

چند خود ساختہ پابندیاں

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے انہوں نے بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لئے تھے۔ کچھ لوگ بغیر زادِ راہ لئے حج کو نکل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے ہم متوکل ہیں، خدا کے گھر کی طرف جا رہے ہیں، پھر دنیا کا سامان کیوں لیں۔ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کیلئے محنت و مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا، بہت سے لوگ حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخلِ عبادت سمجھتے تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلتے تو بات چیت کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حج مصمت، یعنی گونگا حج تھا۔ اسی قسم کی اور غلط رسمیں بے شمار تھیں جن کا حال بیان کر کے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

دعائے خلیل کی قبولیت

یہ حالت کم وبیش دو ہزار برس تک جاری رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا، نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے پورا ہونے کا وقت آیا جو انہوں نے کعبے کی دیواریں اٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی، یعنی "پروردگار، ان کے درمیان ایک پیغمبر خود انہیں کی قوم میں سے بھیجو، جو انہیں تیری آیات سنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے" چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے پھر ایک انسان کامل اٹھا جس کا نام پاک محمد بن عبداللہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا۔ جس طرح ابراہیمؑ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان مہنتی پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اس پر ضرب لگائی اور محض ضرب نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کیلئے اس کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام باطل عقیدوں اور جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کیلئے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی، بالکل وہی کام آنحضرتؐ نے بھی کیا اور پھر اسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جسے حضرت ابراہیمؑ لے کر آئے تھے۔ ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اسی طرح کعبے کو تمام دنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کیلئے اس مرکز کی طرف آؤ۔

(آل عمران:۹۷)

ترجمہ: یعنی "اور لوگوں پر اللہ کا حق ہیکہ جو کوئی اس گھر تک آنے قدرت رکھتا ہو وہ حج کیلئے آئے۔ پھر جو کوئی کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے"۔

سنت ابراہیمی کا احیاء

اس طرح حج کا از سر نو آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی ایک قلم مٹا دی گئیں جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔

بت پرستی کا خاتمہ

کعبے کے سارے بت توڑے گئے، خدا کے سوا دوسروں کی پرستش وہاں ہورہی تھی وہ قطعاً روک دی گئی، سب رسمیں مٹا دی گئیں، میلے ٹھیلے اور تماشے بند کردیئے گئے اور حکم دیا گیا کہ اب جو طریقہ عبادت کا بتایا جارہا ہے اسی طریقے سے یہاں اللہ کی عبادت کرو۔

(البقرہ: ۱۹۷)

ترجمہ: یعنی ''اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم گم راہ لوگ تھے''۔

بے ہودہ افعال کی ممانعت

تمام بے ہودہ افعال کی سخت ممانعت کردی گئی:

(البقرہ: ۱۹۷)

ترجمہ: یعنی ''حج میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں، نہ فسق و فجور ہو، نہ لڑائی جھگڑے ہوں''۔

شاعری کے دنگل بند

شاعری کے دنگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر، بھٹی اور ہجو گوئی کے مقابلے سب بند کردیئے گئے۔

(البقرہ: ۲۰۰)

ترجمہ: یعنی ''پھر جب اپنے مناسک حج ادا کرچکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر''۔

نمائشی فیاضی کا خاتمہ

فیاضی کے مقابلہ، جو محض دکھاوے اور ناموری کیلئے ہوتے تھے ان سب کا خاتمہ کردیا گیا اور اس کی جگہ وہی حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جائیں تا کہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے۔

(الاعراف: ۳۱)

ترجمہ: یعنی ''کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

(الحج : ۳۶)

ترجمہ: یعنی ''ان جانوروں کو خالص اللہ کیلئے اسی کے نام پر قربان کرو، پھر جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹھہر جائیں (یعنی جب جان پوری طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجت مند سائل کو بھی''۔

قربانی کا خون اور گوشت لتھیڑنا موقوف

قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑنا اور گوشت لا کر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا:

(الحج : ۳۷)

ترجمہ: یعنی ''اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہاری پرہیز گاری وخدا ترسی پہنچتی ہے''۔

برہنہ طواف کی ممانعت

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کردی گئی اور فرمایا گیا:

(الاعراف : ۳۲)

ترجمہ: یعنی ''اے نبیؐ ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی تھی (یعنی لباس)''؟

(الاعراف : ۲۸)

ترجمہ: یعنی ''اے نبی کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا''۔

(الاعراف : ۳۱)

ترجمہ: یعنی ''اے آدم زادو! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو''۔

حج کے مہینوں میں الٹ پھیر کی ممانعت

حج کے مہینوں کا الٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو لڑائی کیلئے حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا:

(التوبہ: ۳۷)

ترجمہ: یعنی ''نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ڈھٹائی کا اضافہ ہے) کافر لوگ اس طریقہ سے اور زیادہ گم راہی میں پڑتے ہیں، ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اسکے بدلہ میں کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تا کہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں ان کی تعداد پوری کر دی جائے، مگر اس بہانے سے دراصل اس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرم کیا تھا''۔

زادہ راہ لینے کا حکم

زادراہ لئے بغیر حج کیلئے نکلنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور ارشاد ہوا:

(البقرہ: ۱۹۷)

ترجمہ: یعنی ''زادراہ ضرور لو کیوں کہ (دنیا میں زادہ راہ نہ لینا زاد آخرت نہیں ہے) بہترین زاد آخرت تو تقویٰ ہے''۔

حج میں روزی کمانے کی اجازت

سفرحج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا اور روزی کمانے کو نا جائز خیال کیا جاتا تھا اس کی تردید کی گئی۔

(البقرہ: ۱۹۸)

ترجمہ: یعنی ''کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتے جاؤ''۔

جاہلی رسموں کا خاتمہ

گونگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا اور اسی طرح جاہلیت کی دوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقوی، خدا ترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔

حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپکو تمام دنیوی آلائیشوں سے پاک کر لو، شہوات کو

چھوڑو، بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلق زن وشو نہ رکھو۔ گالی گلوچ اور تمام بے ہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔

میقات کا تعین

کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں ان سب پر بیسیوں میل دور سے ایک ایک حد مقرر کردی گئی کہ اس حد سے آگے بڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں، تاکہ سب امیر وغریب یکساں ہو جائیں، الگ الگ قوموں کے امتیازات مٹ جائیں اور سب کے سب اللہ کے دربار میں ایک ہو کر، فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔

پر امن ماحول کی ہدایت

احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار جانور تک کا شکار کرنا حرام کردیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو۔ بہیمیت دور ہو جائے اور طبیعتوں پر روحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لئے حرام کئے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے اور زائرین حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو ان کیلئے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشہ، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے، نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا طواف ہے اور کوئی پکار ہے تو بس یہ ہیکہ:

ایک ہی نعرہ تلبیہ

عربی

ترجمہ: یعنی "حاضر ہوں، میرے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً تعریف سب تیرے ہی لئے ہے، نعمت سب تیری ہے، ساری بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے"۔

ایسے ہی پاک وصاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عربی

ترجمہ: یعنی "جس نے اللہ کیلئے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے"۔

فریضہ حج کی اہمیت

اب قبل اسکے کہ آپکے سامنے حج کے فائدے کے بارے میں کچھ بیان کئے جائیں، یہ بتادینا ضروری ہیکہ یہ فرض کیسا ہے۔قرآن میں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

(آل عمران:۹۷)

ترجمہ: یعنی ''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہیکہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے''۔

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصداً حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور اس کی شرح نبی کریم ﷺ کی ان دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

(الحدیث)

ترجمہ: یعنی ''جو شخص زادراہ اور سواری رکھتا ہو،جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے''۔

(الحدیث)

ترجمہ: یعنی ''جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ روکنے والے مرض نے اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر''۔

اور اس کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہیکہ ان پر جزیہ لگادوں،وہ مسلمان نہیں ہیں،وہ مسلمان نہیں ہیں۔

اللہ تعالی کے اس فرمان اور رسول وخلیفہ رسول کی اس تشریح سے آپکو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہیکہ جی چاہے تو ادا کیجئے اور نہ جی چاہے تو ٹال دیجئے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہیکہ ہر اس مسلمان کو جو کعبہ تک جانے اور آنے کا خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہئے۔خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اسکے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں۔اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کر کر کے سال پر سال

یوں ہی گذارتے چلے جاتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے۔دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں۔کعبہ یوروپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گذرتا۔وہ قطعاً مسلمان نہیں جو جھوٹ کہتے ہیں۔اگر اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں اور قران سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ان کے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اُٹھتا ہے تو اٹھا کرے۔اللہ کی اطاعت اور اسکے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال ان کے دل میں نہیں ہے۔

حج کے فائدے

برادران اسلام! قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آیا ہیکہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیمؑ کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا،وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہیکہ:

(الحج: ۲۸)

ترجمہ: یعنی" تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں ان کیلئے کیسے فائدے ہیں"۔

یعنی یہ سفر کرکے اور اس جگہ جمع ہوکر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں کہ یہ انہی کے نفع کیلئے ہیں اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ کچھ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کرکے خود دیکھ لے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق روایت ہیکہ جب تک انہوں نے حج نہ کیا تھا،انہیں اس معاملہ میں تردد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کون سی عبادت ہے،مگر جب انہوں نے خود حج کرکے ان بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں،تو بے تامل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے۔

آیئے اب میں آپکو مختصر الفاظ میں اسکے فائدے بتادوں۔

سفر حج کی نوعیت

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسموں کے سفروں سے واقف ہیں۔ایک سفر وہ جو روٹی کمانے کیلئے کیا جاتا ہے ،دوسرا وہ جو سیر و تفریح کیلئے کیا جاتا ہے ان دونوں قسم کے سفروں میں اپنی غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے،گھر چھوڑتا ہے تو اپنی غرض کیلئے،بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے اپنی خاطر۔مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب کیلئے۔لہٰذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے۔مگر یہ سفر جس کا نام حج

ہے، اس معاملہ اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کیلئے یا اپنے نفس کی خواہش کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کیلئے ہے اور اس فرض کو ادا کرنے کیلئے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسکے دل میں اللہ کی محبت نہ ہوں، اس کا خوف نہ ہو، اور اسکے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔ پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کیلئے علاحدگی، اپنے عزیزوں سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہیکہ اسکے اندر خوف خدا اور محبت خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی، اور اس میں یہ طاقت بھی موجود ہیکہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے، تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کرسکتا ہے۔

نیکی اور تقویٰ کی رغبت

پھر جب وہ ایسے پاک ارادے سے سفر کیلئے تیار ہوتا ہے تو اس کی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے، جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اٹھا ہو اور جس کو ادھر کی لو لگ گئی ہو اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں، گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور لوگوں سے اپنا کہا سنا بخشواتا ہے۔ کسی کا حق اس پر آتا ہو تو اسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ برائی سے اسکے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کیلئے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا خدا کے گھر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اسکے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہیکہ کسی کو اس سے اذیت نہ پہنچے۔ اور جس کی جتنی خدمت یا مدد ہوسکے کرے۔ بدکلامی و بےہودگی، بےحیائی، بددیانتی اور جھگڑا فساد کرنے سے خود اس کی اپنی طبیعت اندر سے رکتی ہے کیوں کہ وہ خدا کے راستے میں جارہا ہے۔ حرم الٰہی کا مسافر ہو اور پھر برے کام کرتا ہوا جائے، ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؟ اس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے، اس عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ پس دوسرے تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی کورس ہے جس سے لازماً ہر اس مسلمان کو گذرنا ہوتا ہے جو حج کیلئے جائے۔

احرام اور اسکے شرائط

سفر کا یک حصہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکہ جانا چاہتا ہو، احرام باندھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس، جس میں ایک تہہ بند، ایک چادر اور جوتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہیکہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن

کر چلو۔ ظاہر میں بھی فقیر بنو اور دل کے فقیر بھی بننے کی کوشش کرو۔ رنگین کپڑے اور آرائش کے لباس اتار دو۔ سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس پہن ہو۔ موزے نہ پہنو۔ سر کھلا رکھو۔ خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو۔ عورت اور مرد کا تعلق بند کر دو، بلکہ ایسی حرکات وسکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اس کی یاد دلانے والی ہوں۔ شکار نہ کرو، بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اسکا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا، کبر وغرور نکلے گا، مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی، دنیا اور اس کی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہوں گی اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

تلبیہ

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں جن کو وہ ہر نماز کے بعد اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت، اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت، اور ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پکارتا ہے، وہ یہ ہیں:

> ترجمہ: یعنی "حاضر ہوں، میرے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً تعریف سب تیرے ہی لئے ہے، نعمت سب تیری ہے، ساری بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے"۔

یہ دراصل حج کی اس ندائے عام کا جواب ہے جو ساڑھے چار ہزار برس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے کی تھی۔ پینتالیس صدیاں گذر چکی ہیں جب پہلے پہل اللہ کے اس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو، اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ خواہ سواریوں پر آؤ"۔ جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہہ رہا ہے "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں، تعریف تیرے لئے ہے، نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں"۔ اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی اس تحریک سے جڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے، ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہیکہ گویا ادھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پکار رہے ہیں اور ادھر سے یہ جواب دے رہا ہے، جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے، ہر چڑھاؤ اور اتار پر اسکے کانوں پر اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے۔ ہر قافلہ اسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اس کا پیام سن کر پکارتا ہے "میں حاضر، میں حاضر"۔ ہر نئی صبح اسکے لئے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ لبیک اللھم لبیک کی

صدا لگانے لگتا ہے۔ غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اس فقیرانہ لباس، سفر کی اس حالت اور منزل بہ منزل کعبہ کے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہیکہ حاجی عشق الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اسکے دل کی یہ حالت ہوتی ہیکہ بس ایک یا دوست کے سوا ''آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا''۔

طواف زیارت

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہیں سیدھا اس آستانے کا رخ کرتا ہے جس کی طرف بلایا گیا تھا۔ آستان دوست کو چومتا ہے، پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین ومذہب کے اس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر چکر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا جاتا ہے۔ اسکے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے، پھر وہاں سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکار اٹھتا ہے:

عربی

ترجمہ: یعنی ''کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے، ہماری اطاعت صرف اللہ کیلئے خاص ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔

سعی صفا ومروہ

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، گویا اپنی حالت سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہیکہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اس کی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہے گا۔ اس سعی کے دوران میں کبھی اس کی زبان سے نکلتا ہے۔

ترجمہ: یعنی ''خدایا، مجھ سے کام لے اسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے، اور زندگی میں مجھے بچا ان فتنوں سے جو راہ راست سے بھٹکانے والے ہیں''۔

اور کبھی کہتا ہے۔

عربی

ترجمہ: یعنی ''پروردگار، معاف کر اور رحم کر، میرے جن قصوروں کو تو جانتا ہے ان سے درگذر کر، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر''۔

وقوف منیٰ، عرفات اور مزدلفہ

اسکے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اسکو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ایک دن منی میں پڑاؤ ہے،دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایت سنی جارہی ہیں، رات مزدلفہ میں جا کر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے۔

رمی جمار

دن نکلتا ہے تو منی کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اس ستون پر کنکریوں سے چاند ماری کی جاتی ہے جہاں تک اصحاب فیل کی فوجیں کعبہ پر ڈھانے کیلئے پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے:

اللہ اکبر رغما للشیطان و جزبہ

اور

اللھم تصدیقا بکتابک و اتبا عا لسنۃ نبیک

کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہیکہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے اٹھے گا، میں اسکے مقابلے میں تیرا بول بالا کرنے کیلئے یوں لڑوں گا۔پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہ خدا میں خون بہانے کی نیت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔پھر وہاں سے کعبہ کا رخ کیا جاتا ہے جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرکے ہیڈ کوارٹر کی طرف سرخ رو واپس آرہا ہے۔طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل جاتا ہے۔جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ اب پھر حلال ہو جاتا ہے اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے، اس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منی میں جا کر پھر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن پتھر کے ان تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاندی ماری کرتا ہے جن کو جمرات کہتے ہیں اور جو دراصل اس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے گھر کو ڈھانے آئی تھی اور اسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا۔(عام طور پر مشہور ہیکہ کنکریاں مانے کا یہ فعل اس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو پیش آیا تھا۔یعنی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپکو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں،یا جب حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھا آپکو قربانی کیلئے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اسکو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نہیں ہیکہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔) تیسرے دن پھر ستونوں پر سنگ باری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے،یہ طواف وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

حج کی برکات واثرات

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سنی اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اس کی تیاری سے لے کر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدت میں کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل و دماغ پر پڑتے ہیں، اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، بہت سے دنیوی تعلقات کی قربانی ہے، بہت سی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی قربانی ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے۔ کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیزگاری وتقوی کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق وعشق کی جو کیفیت آدمی پر گذرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان ان لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنہوں نے اللہ کی بندگی واطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا۔ دنیا بھر سے لڑے، مصیبتیں اٹھائیں، جلاوطن ہوئے، ظلم سہے، مگر بالآخر اللہ کا کلمہ بلند کر کے چھوڑا اور ہر اس باطل قوت کا سر نیچا کر کے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی۔ ان آیات بینات اور ان آثار متبرکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی عزم و ہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شاید کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طواف کعبہ سے اس مرکز دین سے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے اور مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق کرائی جاتی ہے اسے اگر آپ نماز اور روزے اور زکوۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو آپکو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہر اس مسلمان پر جو کعبہ تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہیکہ تا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانے میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود ہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گذر چکے ہوں۔

حج ایک اجتماعی عبادت

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہیں گے جب تک یہ بات آپکے پیش نظر نہ ہو کہ ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج ادا کرتے ہیں، پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپکے سامنے صرف اتنی بات آئی ہیکہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اب میں آئندہ خطبہ میں آپکو یہ بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے حج کا ایک ہی وقت مقرر کر کے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجہ بڑھا دیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہی ہیکہ بیک کرشمہ دو کار نہیں بلکہ ہزار کار نکال لے جاتا ہے۔ نماز علاحدگی میں پڑھنے ہی میں کچھ فائدے نہ تھے مگر اسکے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کر کے، اور جمعہ وعیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اسکے فائدوں کو بے حد وحساب بڑھا دیا گیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا مگر سب مسلمانوں کیلئے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کر کے اسکے فائدے اتنے بڑھا دیئے گئے کہ شمار میں

نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت سی خوبیاں تھیں، مگر اسکے لئے بیت المال کا نظام مقرر کر کے اس کی منفعت اتنی زیادہ کر دی گئی کہ آپ اس کا اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو، اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے۔ اکیلا اکیلا آدمی حج کرے، تب بھی اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے، مگر تمام دنیا کے مسلمانوں کیلئے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اسکے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے، اس لئے انشاءاللہ آئندہ خطبہ میں اسکو مفصل بیان کروں گا۔

حج کا عالمگیر اجتماع حج کے ثمرات

عالم اسلام میں حرکت

برادران اسلام! آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے، یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں، ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں، ہر بستی میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے، ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں، اور ہر سال ان میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجئے کہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں، حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے، کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک دنیا کے مختلف حصوں سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور ادھر ذی الحجہ کے آخر سے صفر، ربیع الاول بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینے کی مدت تک گویا مسلسل تمام روئے زمین کی مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں، وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں، مگر جو نہیں جاتے ان کو بھی حاجیوں کو رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گذرنے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے۔

پرہیزگاری اور تقویٰ کی افزائش

جب ایک ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پر خوف خدا اور پرہیزگاری اور توبہ استغفار اور نیک اخلاقی کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں، اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر

قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہیکہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے، بلکہ خدا کی طرف لو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک صاف ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجئے کہ ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا۔ اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کیلئے تیار ہوتے ہیں تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی۔ پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں سے گذرتے ہوں گے وہاں ان کو دیکھ، ان سے مل کر ان کی لبیک لبیک کی آوازیں سن کر کتنوں کے دل گرماجاتے ہوں گے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی، اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہوجاتی ہوگی۔ پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لئے ہوئے پلٹتے ہوں گے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہوں گے تو ان کی زبان حال اور زبان قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہوجاتے ہوں گے۔

عالم اسلامی کی بیداری کا موسم

پس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقوی کا موسم ہے، اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقے سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہیکہ انشاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالم گیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے، مگر یہ کعبے کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک دل حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ملنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو، بالکل اسی طرح دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اس کی دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے۔ اور پھر اسکو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس وقت تک یہ بالکل محال ہیکہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار و نزار ہو۔

وحدت ملت کا پر کیف نظارہ

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجئے کہ ادھر مشرق سے، ادھر جنوب سے، ادھر مغرب سے، ادھر شمال سے ان گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد تک پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اتار دیتے ہیں، اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن

لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہیکہ سلطان عالم اور بادشاہ زمین و آسمان کی یہ فوج، جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آ رہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے ایک اطاعت و بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے، ایک ہی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں۔ اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کیلئے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے:

لبیک، اللھم لبیک، لاشریک لک لبیک

بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں، مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے، دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب مل کر نمازیں ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں، سب کا ایک یونیفارم، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان، سب ایک اللہ اکبر کے ہی اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، اور سب ایک قران عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالم گیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے ایک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں، جن نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے نشہ میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے۔ اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے پھر کعبہ پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے اردگرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ صفہ اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا متفق ہو کر جمرہ عقبہ پر کنکریوں کی چاند ماری کرنا، پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک ساتھ کعبہ کی طرف پلٹ کر طواف کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز پر اردگرد نماز پڑھنا، یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

ایک مقصد، ایک مرکز پر اجتماع

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ بھی ایسی ایک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سواء کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدان جنگ میں گلے کاٹنے کیلئے، یا صلح کانفرنسوں میں ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے یا مجلس اقوام متحدہ میں، تا کہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے

اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات، اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا، اور ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا یہ نعمت اسلام کے سواء بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے، اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضاء پیدا کرنے کیلئے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

قیام امن کی سب سے بڑی تحریک

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔ اس نے لازم کیا ہیکہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کیلئے مقرر کئے گئے ہیں ان میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے۔ اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھ میں ہوں تو مسلمانوں کی پوری کوشش یہ ہو کہ دنیا میں ایسی بدامنی نہ ہونے پائے جس سے حج اور عمرہ کا نظام معطل ہو جائے۔

دنیا میں واحد مرکز امن

اس نے دنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کیلئے امن کا شہر ہے۔ جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا، جس میں گھانس تک کہ کاٹنے کی اجازت نہیں، جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جا سکتا، جس میں حکم ہیکہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے۔ جس میں غلہ کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک لگا کر مہنگا کرنا ''الحاد'' کی حد تک پہنچ جاتا ہے جس میں ظلم کرنے والوں کو اللہ نے دھمکی دی ہے۔ یعنی ''ہم اسے دردناک سزا دیں گے''۔

حقیقی مساوات کا مرکز

اس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہیکہ:

سواء ن العاکف فیہ والباد (الحج: ۲۵)

یعنی وہاں ان تمام انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی بادشاہی اور محمد مصطفےٰ ﷺ کی راہ نمائی کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں، خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، چین کا ہو یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو مکہ کی زمین پر اسکے وہی حقوق ہیں جو خود مکہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہیکہ جو شخص مسجد میں جا کر کسی جگہ اپنا ڈیرا جما دے، اسی کی ہے، کوئی اسکو اٹھا نہیں سکتا۔ نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے مگر وہ اس جگہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہیکہ یہ جگہ میری ملک ہے، نہ وہ اسکو بیچ سکتا ہے نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ شخص اس جگہ سے اٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرا جمانے کا ویسا ہی حق ہے جیسا اسکو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکہ کے حرم کا ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہیکہ:

(الحدیث)

ترجمہ: یعنی ''جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آ کر پہلے اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے''۔

وہاں کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے مکانات کے گرد صحنوں پر دروازے نہ لگاؤ تا کہ جو چاہے تمہارے صحن میں آ کر ٹھہر سکے۔ بعض فقہا نے تو یہاں تک کہا ہیکہ شہر مکہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

بھائیوں! یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا اسے کر کے دیکھو، اس میں تمہارے لئے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں ہیکہ اسکے سارے منافع گنا سکوں، تاہم اسکے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو میں نے آپکے سامنے پیش کیا ہے اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ہماری قدر ناشناسی

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سن لو! تم نسلی مسلمانوں کا حال اس بچہ کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہوا ہے۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہیکہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے اور جنکی تلاش میں حیران و سرگردان ہے وہ نعمتیں تم کو مفت میں بغیر کسی تلاش اور جستجو کے صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمہ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسلوں کو سلجھا کر ایک صاف

سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، بچپن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزہ کے وہ کیمیاء سے زیادہ قیمتی نسخہ جو آدمی کو جانور سے انسان سے بناتے ہیں، اور انسانوں کو خدا ترس اور ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کیلئے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دور نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مالیات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے، جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگے ہیں، تمہیں وہ اس طرح مل گئی جیسے کسی حکیم حاذق کے بچے کو بغیر محنت کے وہ نسخہ مل جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کے اثر کا دنیا بھر میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقت ور ذریعہ کسی اور تحریک کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور ابد تک زندہ رکھنے کیلئے آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے، جس کے سواء آج دنیا میں کوئی عالم گیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشہ گوشہ سے کھینچ کر خدا واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کر دے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست، نیک نیت، خیر خواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے، ہاں ایسا بے نظیر طریقہ بھی تمہیں بغیر کسی جستجو سے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے ان نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی۔ کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آ گئیں۔ اب تم ان سے بالکل اسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انہیں کنکر پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنا جہالت اور نادانی کی وجہ سے جس بری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کر رہے ہو اس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوت برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہرات کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟

میرے عزیزو، تم نے شاعر کا یہ شعر تو سنا ہی ہوگا کہ:

خر عیسی اگر به مکه رود   چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا خواہ عیسیٰؑ جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو مکہ کی زیارت سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا۔

نماز روزہ ہو یا حج، یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کیلئے ہے۔ جانوروں کو سدھارنے کیلئے نہیں ہے۔ جو لوگ نہ ان کے معنی نہ مطلب کو سمجھیں نہ ان کے مدعا سے کچھ غرض رکھیں، نہ اس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی خود بھی کر دیا تو اس سے آخر کس نتیجہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بدقسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقے سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر سال ہزارہا زائرین مرکز اسلام کی طرف جاتے ہیں اور حج سے مشرف ہو کر پلٹتے ہیں مگر نہ جاتے وقت ہی ان پر وہ اصلی

کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک مسافر حرم میں ہونی چاہئے۔ نہ وہاں سے واپس آ کر ہی ان میں کوئی اثر حج کا پایا جاتا ہے اور نہ اس سفر کے دوران میں وہ ان آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں جن پر سے ان کا گذر ہوتا ہے بلکہ اسکے برعکس ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اپنے گندگی، بے تمیزی اور اخلاقی پستی کی نمائش کر کے اسلام کی عزت کو بٹا لگاتے ہیں۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر بجائے اسکے کہ دین کی بزرگی کا سکہ غیروں پر جمے بلکہ خود اپنوں کی نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اسکے فائدوں کو اعلانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصہ سے کھینچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گذرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں ٹھہریں اور جہاں سے گذریں وہاں اپنی تحریک کے اصولوں کا نہ صرف زبان سے پرچار کریں بلکہ اپنی عملی زندگی سے ان کا پورا پورا مظاہر بھی کر دیں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بہ سال چلتا رہے، بھلا غور تو کیجئے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اسکے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم؟ اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو اندھے اس کا فائدہ دیکھتے اور بہرے اسکے فائدے سن لیتے۔ ہر سال کا حج کروڑوں مسلمانوں کو نیک بناتا۔ ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا۔ مگر برا ہو جہالت کا، جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر کتنی بیش قیمت چیز کس بری طرح ضائع ہو رہی ہے۔

حج سے پورے فائدے حاصل کرنے کے طریقے

حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کیلئے ضروری تھا کہ مرکز اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالم گیر طاقت سے کام لیتا، کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں خون صالح دوڑاتا رہتا، کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان ہزاروں لاکھوں خدا داد قاصدوں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دین داری کا تازہ سبق لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ عباسیوں کے دور سے لے کر عثمانیوں کے دور تک ہر زمانہ کے بادشاہ اپنی سیاسی اغراض کی خاطر عرب کو ترقی دینے کی بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ وہ ہیکہ وہ سر زمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا آج اسی جہالت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں نہ اسلامی زندگی ہے، لوگ دور دور سے بڑی گہری عقیدتیں لئے ہوئے

حرم پاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بد اخلاقی، بد انتظامی اور عام باشندوں کی طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہوکر رہ جاتا ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنے اپنا ایمان بڑھانے کی بجائے اور الٹا کچھ کھوآتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ میں مسلط ہوگئی تھی اور جسے رسول اللہ ﷺ نے آکر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہوگئی ہے۔ حرم کعبہ کی منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کیلئے جائیداد اور حج ان کیلئے تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو وہ اپنا آسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ آسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکے سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے آسامیوں کو گھیر لائیں۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے، نہ اس لئے کہ انہیں خدا کا عائد کیا ہوا فرض یاد دلا دیا جائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے۔ گویا اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے یہ سارا کاروبار انہیں مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کیلئے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کیلئے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اسکو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلم، مطوف، وکیل مطوف، کلید بردار، کعبہ اور حکومت حجاز، سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں ایک مسلمان کیلئے خانہ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اس دین کے نام نہاد خدمت گذاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے جس میں مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو جہاں عبادت گاہوں کو ذریعہ آمدنی بنالیا گیا ہو، جہاں احکام الٰہی کو اس غرض کیلئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجالانے کیلئے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جائے اور جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کیلئے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو ایسی جگہ عبادت کی روح کہاں باقی رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی و روحانی فائدے حاصل ہونگے۔ جب کہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو۔ (واضح رہیکہ خطبہ ۱۹۳۸ء کا ہے اسکے بعد سے اب تک حالات کی بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے اور سعودی عرب کی حکومت مزید اصلاح کیلئے کوشاں ہے۔ عرب میں تعلیم بھی پھیلائی جا رہی ہے۔ ریاض، مکہ، جدہ وغیرہ شہروں میں شریعت کی تعلیم کیلئے اعلیٰ درجہ کے ادارات قائم کئے گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ نے بڑے پیمانے پر کام شروع کر دیا ہے۔ مکہ معظمہ میں رابطہ اسلامیہ کے نام سے عالم اسلامی کی ایک بین الاقوامی تنظیم قائم کی گئی ہے جو پوری کوشش کر رہی ہیکہ حج کے اجتماع سے فائدہ اٹھا کر تمام مسلمان قوموں میں دینی روح پیدا کی جائے۔ ان پہلوؤں سے حالات بڑی حد تک قابل اطمینان ہیں۔ اب دو امور کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ معلمین کے

طریقہ کار کی اصلاح کی جائے۔ خدا کرے کہ سعودی حکومت اس سلسلہ میں صحیح تدابیر عمل میں لائے۔)

اس ذکر سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہیں ہے، بلکہ صرف آپ لوگوں کو یہ بتانا ہیکہ حج جیسی عظیم الشان طاقت کو آج کن چیزوں نے قریب قریب بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ غلط فہمی کسی کے دل میں نہ رہنا چاہئے کہ اسلام میں اور اسکے جاری کئے ہوئے طریقوں میں کوئی کوتاہی ہے۔ نہیں کوتاہی دراصل ان لوگوں میں ہے جو اسلام کی صحیح پیروی نہیں کرتے۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہیکہ جو طریقے تم کو انسانیت کا مکمل نمونہ بنانے والے تھے اور جن پر ٹھیک ٹھیک عمل کر کے تم تمام دنیا کے مصلح اور امام بن سکتے تھے ان سے آج کوئی اچھا پھل ظاہر نہیں ہو رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہیکہ لوگوں کو خود ان طریقوں کے مفید ہونے میں شک ہونے لگا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک طبیب حاذق چند بہترین تیر بہدف نسخے مرتب کر کے چھوڑ گیا ہو اور بعد میں اسکے وہ نسخہ اناڑی اور جاہل جانشینوں کے ہاتھ پڑ کر بے کار بھی ہو رہے ہوں اور بدنام بھی۔ نسخہ بجائے خود چاہے کتنا ہی صحیح ہو مگر بہر حال اس سے کام لینے کیلئے فن کی واقفیت اور سمجھ ضروری ہے۔ اناڑی اس سے کام لیں گے تو عجب نہیں کہ وہ غیر مفید ہی نہیں بل کہ مضر ہو جائے۔ اور جاہل لوگ جو خود نسخے کو جانچنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ نسخہ خود ہی غلط ہے۔

جہاد

برادران اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہیکہ یہ نماز اور حج اور زکوٰۃ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے، اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے، یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح پوجا پاٹ اور نذر اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کیلئے آپکو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کیلئے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں، اب چونکہ میں اس تربیت اور اس کی تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، اس لئے وقت آگیا ہیکہ آپکو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے جس کیلئے یہ ساری تیاری ہے۔

اسلام کا مقصود حقیقی

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہیکہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کیلئے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ لوگ مدتہائے دراز سے اس مقصد کو اور

اس کام کو بھول چکے ہیں اور ساری عبادتیں آپ کیلئے محض تصوف بن کر رہ گئی ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذرا سے فقرے میں جو مطلب میں نے ادا کیا ہے اسے آپ ایک معمے سے زیادہ کچھ نہ سمجھے ہوں گے۔ اچھا تو آیئے اب میں آپکے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں۔

خرابیوں کی اصل جڑ۔ حکومت کا خرابی

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں ان سب کی جڑ بہت حد تک حکومت کی خرابی ہے، طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کیلئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلے سے ہو رہا ہے اور علانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں، ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلے سے نہیں چل سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سودخواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مال دار لوگ غریبوں کا خون چوسے چلے جاتے ہیں، یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے، اس کی عدالتیں سود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہے اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے ساہوکارے اور بینک چل رہے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بد اخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، یہ کس لئے؟ محض اس لئے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا سیاسی انتظام کیا ہے۔ اور اسکو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپکو نظر آ رہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضے میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد و حساب خونریزی ہو رہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیئے جا رہے ہیں اور بیش قیمت جانیں مٹی کی ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جا رہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بد نفس تھے وہ دنیا کی قوموں کے راہ نما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں۔ قوت ان کے ہاتھ میں ہے، اس لئے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے ہیں اسی طرف دنیا چل رہی ہے، علم، دولت، محنت، جان ہر چیز کا جو مصرف انہوں نے تجویز کیا ہے اسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے، کمزور کیلئے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دشوار ہے، عدالتیں بنئے کی دکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جا سکتا ہے۔ لوگوں سے بے حساب

ٹیکس وصول کیئے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر، بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری فضول خرچیوں پر اڑادایئے جاتے ہیں۔ ساہوکار، زمین دار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار و عمائدین، گدی نشین پیر اور مہنت، سینما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلق خدا کی جان، مال، عزت، اخلاق، ہر چیز کو تباہ کرر ہے ہیں اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ صرف اس لئے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جنکے ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں، اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہیکہ وہ اسکے ہونے کے خواہشمند یا کم ازکم روادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی اکثر و بیشتر خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے برے طور طریق کا رواج پانا، ظلم وستم اور بدافعالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ ظاہر ہیکہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور جب خلق خدا کا رزق ہی ان کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صورت ان کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے، کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

اصلاح کیلیئے ناگزیر قدم۔ اصلاح حکومت

یہ بات جب آپکے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کیلیئے آسان ہیکہ خلق خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کیلیئے اسکے سواء کوئی چارہ نہیں ہیکہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہیکہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرکے زبردستی زنا کو بند کردیا جائے تو لوگ خود بخود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کرلیں گے۔ شراب، جوا، سود، رشوت، فحش تماشے، بےحیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ خلق خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں ان کو آپ محض پندونصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھولیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بزور ان کی شرارتوں کا خاتمہ کردیں تو ان ساری خرابیوں کا انسداد ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگان خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو۔ اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد

نہ ہو، انسان انسان کا خون چوسے نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں، تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپکے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے کیلئے کچھ بہت زیادہ غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاح خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلق خدا کی اصلاح ہو تو اس کیلئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اٹھنا چاہئے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہئے۔

حکومت کی خرابی کی بنیاد۔ انسان پر انسان کی حکمرانی

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ آپکو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بندگان خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں ان کی جڑ بڑی حد تک حکومت کی خرابی ہے اور اصلاح کیلئے ضروری ہیکہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہیکہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے؟ اور اس میں کون سی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہیکہ جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اسکے سوا نہیں ہیکہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔ اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سن کر آپ تعجب نہ کریں، اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپکو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجئے، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار اسباب زندگی جنکے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کئے ہیں، تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ **ملک** خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی خدا کی ہے، پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی اس کا حق دار کیسے ہو گیا کہ خدا کے **ملک** میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہیکہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ **ملک** کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے اس لئے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ برا ہی نکلتا ہے، جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم

اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، کیوں کہ اول تو ان کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کیلئے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہیکہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وشتر بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کیلئے کافی ہیکہ انسان خدا سے بے خوف ہو، جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہوں کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو، وہ طاقت اور اختیارات پا کر شتر بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، جب ہزاروں لاکھوں سر اسکے حکم کے آگے جھک رہے ہوں تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہوگا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگان خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپکے نزدیک یہ ممکن ہیکہ ایسا شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے؟ ہرگز نہیں، ہرگز ہرگز نہیں، ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے، ہزارہا برس کا تجربہ اسکے خلاف شہادت دیتا ہے، آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پر کر کس قدر ظالم، خائن، اور بدراہ ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کی بنیاد۔ انسان پر خدا کی حکومت ہو

لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے، وہ یہ ہیکہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو، اس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اسکے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہو، تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خودغرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کر لیں اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے بھیجا ہے، ایمان لے آئیں، ان سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کیلئے اٹھیں، اس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہو گئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں ان کا زور توڑ دیں اور اللہ کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہیکہ تم نے خدا کو خدا اور اسکے قانون کو قانون بر حق مان لیا۔ نہیں اسکو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم عائد ہو جاتا ہیکہ جہاں بھی تم ہو، جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلق خدا کی اصلاح کیلئے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش

کرو، خدا ناترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار لے لو اور بندگان خدا کی راہ نمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جوابدہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو، اسی کوشش اور اسی جدو جہد کا نام جہاد ہے۔

حکومت ایک کٹھن راستہ

لیکن حکومت اور فرماں روائی جیسی بد بلا ہے ہر شخص اسکو جانتا ہے، اسکے حاصل ہونے کا خیال آتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشات نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلق خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ میں آجانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندہ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے، پھر بھلا فائدہ ہی کیا ہوا اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہٰذا اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بلانے سے پہلے اسلام تو کو اس کیلئے تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے، تم کو حکومت کا دعوی لے کر اٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خود غرضی اور نفسانیت نہ نکل جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کیلئے نہ ہو جائے بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلق اللہ کی اصلاح کیلئے ہو اور جب تک کہ تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو، تمہیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلق خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے۔ اور پھر تم خدا اور رسول کا نام لے لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اسکے کہ اتنی بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کیلئے تم کو حکم دیا جائے، اسلام یہ ضروری سمجھتا ہیکہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو۔

عبادات۔ ایک تربیتی کورس ہیں

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوۃ اور حج دراصل اسی تیاری اور تربیت کیلئے ہیں جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج، پولیس اور سول سروس کے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر ان سے کام لیتی ہیں، اسی طرح اللہ کا دین (اسلام) بھی ان تمام آدمیوں کو، جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں، پہلے خاص طریقے سے تربیت دیتا ہے، پھر ان سے جہاد اور حکومت الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہیکہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے اس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے وہ انہیں صرف کارواں بنانے کی کوشش کرتی ہیں، خواہ وہ کیسے ہی زانی، شرابی، بے ایمان اور بدنفس ہوں، مگر دین الٰہی کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام اس لئے وہ انہیں کارواں بنانے سے زیادہ اہم

اس بات کو سمجھتا ہے کہ انہیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے وہ ان میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی خلافت قائم کرنے کا دعوی لے کر اٹھیں تو اپنے دعوے کو سچا کر کے دکھا سکیں۔ وہ لڑیں تو اس لئے نہ لڑیں کہ انہیں خود اپنے واسطے مال و دولت اور زمین درکار ہے، بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ ان کی لڑائی خالص خدا کی رضا کیلئے اور اسکے بندوں کی فلاح و بہبود کیلئے ہے۔ وہ فتح پائیں تو متکبر و سرکش نہ ہوں بلکہ ان کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے رہیں۔ وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی جیبیں نہ بھرنے لگیں، بلکہ خدا کے رزق کو اسکے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچے امانت دار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہی ہے۔ اور اوپر کوئی ہے جسے ہم کو ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اس تربیت کیلئے ان عبادتوں کے سواء اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں ہے۔ اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے، تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں، اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو، لہٰذا آگے بڑھو، خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

(آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: یعنی "دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

خدا شناس حکومت کی برکات

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، جیل، تحصیل داری، ٹیکس، کلکٹری اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہل کاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنے والے ہوں، اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور سارے ضابطے اللہ تعالی کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں، جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، اور جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کیلئے مستعد رہے، ایسی جگہ خلق حدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدت تک کام کر کے لوگوں کی بگڑی ہوئی عادتوں کو درست کر دے گی، جب وہ حرام خوری، بدکاری، ظلم، بے حیائی اور بد اخلاقی کے سارے رستے بند کر دے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا انسداد کر کے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی، اور جب اسکے ماتحت عدل و انصاف، امن و امان اور نیک اطواری و خوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع

ملے گا تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدتہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہوگئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہوجائیں گی۔ وہ دل جن صدیوں تک بداخلاقیوں کے درمیان گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی، اس وقت لوگوں کیلئے اس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ مشکل نہیں رہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی ان کا خدا ہے اور اسکے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں۔ اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے جنکے ذریعہ سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے۔ آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے، اس وقت وہ بات خود دماغوں میں اترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جاسکتا، اس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئیں گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں، جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اسی دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے، ان کیلئے خدا کی توحید اور اسکے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہوجائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کرلینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہوجاتا ہے، اس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر و شرک پر اڑے رہنے کیلئے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی اور مشکل سے ہزار میں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے، جن میں زیادہ ہٹ دھرمی موجود ہو۔

بھائیو! اب مجھے امید ہیکہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ یہ نماز اور روزہ اور یہ حج اور یہ زکوۃ کس غرض کیلئے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھے رہے ہو اور مدتوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہیکہ یہ عبادتیں محض پوجا پاٹ قسم کی چیزیں ہیں، تمہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کیلئے ہیں۔ اسی وجہ سے تم بغیر کسی مقصد کے ان رسموں کو ادا کرتے رہے اور اس کام کیلئے کبھی تیار ہونے کا خیال تک تمہارے دلوں میں نہ آیا جس کیلئے دراصل انہیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اس جس کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں، ان بے معنی عبادت گذاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لوگے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا۔

جہاد کی اہمیت

برادران اسلام! اس سے پہلے ایک مرتبہ میں آپکو دین اور شریعت اور عبادت کے معنی بتا چکا ہوں، اب ذرا آپ اپنے دماغ میں تازہ کرلیجئے۔

''دین کے معنی اطاعت کے ہیں''
''شریعت قانون کو کہتے ہیں''
''عبادت سے مراد بندگی ہے''

دین کے معنی

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اسکو اپنا حاکم تسلیم کرلیا گویا آپ نے اس کا دین قبول کیا، پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اس کی رعایا بن گئے تو اسکے احکام اور کے مقرر کیئے ہوئے ضابطے آپ کیلئے قانون یا شریعت ہوں گے اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے، جو کچھ وہ طلب کرے گا حاضر کردیں گے، جس بات کا وہ حکم دے گا اسے بجالائیں گے، جن کاموں سے منع کرے گا ان سے رک جائیں گے، جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کیلئے جائز ٹھہرائے گا انہی حدود کے اندر آپ رہیں گے، اور اپنے آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدموں اور قضیوں میں اسی کی ہدایات پر چلیں گے اور اسی کے فیصلہ پر سر جھکائیں گے تو آپکے اس رویہ کا نام بندگی یا عبادت ہوگا۔

اس تشریح سے یہ بات صاف ہوجاتی ہیکہ دین دراصل حکومت کا نام ہے شریعت اس حکومت کا قانون ہے اور عبادت اسکے قانون اور ضابطہ کی پابندی ہے آپ جس کسی کو حاکم مان کر اس کی محکومی قبول کرتے ہیں، دراصل آپ کے اس دین میں داخل ہوتے ہیں، اگر آپ کا وہ حاکم اللہ ہے تو آپ دین اللہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی بادشاہ ہے تو آپ دین بادشاہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اسی قوم کے دین میں داخل ہوئے اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپکے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دین جمہور میں داخل ہوئے، غرض جس کی اطاعت کا قلادہ آپ کی گردن میں ہے، فی الواقع اسی کے دین میں آپ ہیں، اور جس کے قانون پر آپ عمل کررہے ہیں، دراصل اسی کی عبادت کررہے ہیں۔

انسان کے دو دین نہیں ہوسکتے

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی وقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دین کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہرحال ایک ہی اطاعت آپ کرسکتے ہیں، مختلف قانونوں میں سے بہرحال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضابطہ بن سکتا ہے اور مختلف معبودوں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کیلئے ممکن ہے، آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہوسکتی ہیکہ عقیدے میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں اطاعت دوسرے کی کریں، پوجا اور پرستش ایک کے آگے کریں اور بندگی دوسرے کی بجالائیں، اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے قانون کے مطابق چلتے

رہیں، میں اسکے جواب میں عرض کروں گا، بے شک یہ ہوتو سکتا ہے اور سکتا کیا معنی ہو ہی رہا ہے۔ مگر یہ ہے شرک، اور یہ شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ جھوٹ ہے۔ حقیقت میں تو آپ اسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کررہے ہیں، پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہیکہ جس کی اطاعت واقعی آپ کررہے ہیں پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہیکہ جس کی اطاعت آپ نہیں کررہے ہیں اسکو اپنا حاکم اور اسکے دین کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ کہتے بھی ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے ہیں اس کا فائدہ اور اثر کیا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں بالکل ہی بے معنی ہیں جب کے آپ کی زندگی کے معمولات اس کی شریعت کے دائرے سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری شریعت پر چل رہے ہیں، آپ کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کو معبود مانتے ہیں اور آپ کا اپنے ان سروں کو جو گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں سجدے میں اسکے آگے زمین پر ٹیک دینا، بالکل ایک مصنوعی فعل بن کررہ جاتا ہے۔ جب کہ آپ واقع میں بندگی دوسرے کی کررہے ہیں حقیقت میں آپ کا معبود تو وہ ہے اور آپ دراصل عبادت اس کی کررہے ہیں جس کے حکم کی آپ تعمیل کرتے ہیں جس کے منع کرنے سے آپ رکتے ہیں جس کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں، جس کے مقرر کیئے ہوئے طریقوں پر آپ چلتے ہیں، جس کے ضابطے کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے ہیں اور اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں، جس کے فیصلوں کی طرف آپ اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں، جس کی شریعت پر آپکے باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپکے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے، اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل ودماغ اور ہاتھ پاؤں کی ساری قوتیں اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخر کار اپنی جانیں تک پیش کردیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور واقعہ اسکے خلاف ہو تو اصل چیز واقعہ ہی ہوگا۔ عقیدے کیلئے اس صورت میں سرے سے کوئی جگہ نہ ہوگی، نہ ایسے عقیدے کا کوئی وزن ہی ہوگا۔ اگر واقعہ میں آپ دین بادشاہ پر ہوں تو اس میں دین اللہ کیلئے کوئی جگہ نہ ہوگی، اگر واقعہ میں آپ دین جمہور پر ہوں یا دین انگریز یا دین جرمن یا دین ملک ووطن پر ہوں تو اس میں بھی دین اللہ کیلئے کوئی جگہ نہ ہوگی اور اگر فی الواقع آپ دین اللہ پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی کسی دوسرے دین کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔ بہر حال یہ خوب سمجھ لیجئے کہ شرک جہاں بھی ہوگا جھوٹ ہی ہوگا۔

ہر دین اقتدار چاہتا ہے

یہ نکتہ بھی آپکے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہیکہ دین خواہ کوئی سا بھی ہو، لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے، دین جمہوری ہو یا دین بادشاہی، دین اشتراکی ہو یا دین الٰہی، یا کوئی اور دین۔ بہر حال ہر دین کو اپنے قیام کیلئے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپکے دماغ میں ہو، مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو، ایسے دماغی نقشے کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے جب کہ آپ رہیں گے اس عمارت میں جو فی الواقع موجود ہوگی اسی کی دروازے میں آپ داخل ہوں گے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے۔ اسی کی چھت اور اسی کی دیواروں کا سایہ آپ پر ہوگا اسی کے نقشہ پر

آپکو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہوگا، پھر بھلا ایک نقشہ کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن میں رکھنا، یا اس کا محض معتقد ہو جانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت تو محض آپکے ذہن میں ہوگی۔ مگر آپ خود اس واقعی عمارت کے اندر ہوں گے جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ عمارت کا لفظ دماغ والی عمارت کیلئے تو کوئی بولتا نہیں ہے۔ نہ ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے، عمارت تو کہتے ہی اسکو ہیں اور آدمی رہ اسی عمارت میں سکتا ہے جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں، بالکل اسی مثال کے مطابق کسی دین کے حق ہونے کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اور ایسا اعتقاد لا حاصل ہے جب کہ لوگ عملاً ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جس طرح خیالی نقشے کا نام عمارت نہیں ہے اسی طرح خیالی دین کا نام بھی دین نہیں ہے۔ اور خیالی عمارت کی طرح کوئی شخص خیالی دین میں بھی نہیں رہ سکتا۔ دین وہی ہے جس کا اقتدار زمین پر قائم ہو، جس کا قانون چلے جس کے ضابطہ پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو لہٰذا ہر دین عین اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے، اور دین ہوتا ہی اسی لئے ہیکہ جس اقتدار کو وہ تسلیم کرنا چاہتا ہے اسی کی عبادت اور بندگی ہو اور اسی کی شریعت نافذ ہو۔ چند مثالیں:

دین جمہوری

دین جمہوری کا کیا مفہوم ہے؟ یہی نا کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں، ان پر خود انہی کی بنائی ہوئی شریعت چلے اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہور اقتدار کی اطاعت و بندگی کریں۔ بتایئے یہ دین کیوں کر قائم ہو سکتا ہے جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہوری اقتدار کو حاصل نہ ہو جائے۔ اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے؟ اگر جمہور کے بجائے کسی قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دین جمہوری پر اعتقاد رکھنا ہو تو رکھا کرے، جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے، دین جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں کر سکتا۔

دین ملوکیت

دین بادشاہی کو لیجئے، یہ دین جس بادشاہ کو بھی حاکم اعلیٰ قرار دیتا اسی لئے تو قرار دیتا ہیکہ اطاعت اس کی ہو شریعت اس کی نافذ ہو، اگر یہی بات نہ ہوتی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اسے حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ دین جمہور چل پڑا ہو یا کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہو تو دین بادشاہ ہی رہا کب کہ کوئی اس کی پیروی کر سکے۔

دین فرنگ

دور نہ جایئے اسی دین انگریز کو دیکھ لیجئے جو اس وقت ہندوستان کی دین ہے۔ (یاد رہیکہ یہ خطبات

۳۹_۱۹۳۸ء کے ہیں جب کہ ہندوستان انگریزوں کے زیر حکومت تھا) یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہاہیکہ تعزیزات ہند اور ضابطہ دیوانی انگریز طاقت سے نافذ ہے، آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقے پر اس کی لگائی ہوئی حد بندیوں کے اندر انجام پاتے ہیں، اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سر اطاعت جھکا رہے ہیں۔ جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے آپ خواہ کسی دین کے معتقد ہوں، بہر حال اس کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے لیکن اگر تعزیزات ہند اور ضابطہ دیوانی چلنا بند ہوجائے اور انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی ہو تو بتائیے کہ دین انگریز کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے؟

دین اسلام

ایسا ہی معاملہ دین اسلام کا بھی ہے اس دین کی بناء یہ ہیکہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالی ہے، لہٰذا اس کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہئے اور اسی کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہیں یہ اللہ کے اقتدار اعلی کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے یہ بھی اس غرض کیلئے ہے اور اسکے سواء کوئی دوسری غرض اس کی نہیں ہیکہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے۔ عدالت میں فیصلہ اسی کی شریعت پر ہو، پولیس اسی کے احکام جاری کرے لین دین اسی کے ضابطے کی پیروی میں ہو، ٹیکس اسی کی مرضی کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں صرف ہوں جو اس نے مقرر کیئے ہیں، سول سروس اور فوج اسی کے زیر حکم ہو، لوگوں کی قوتیں اور قابلتیں، محنتیں اور کوششیں اسی کی راہ میں ہوں، تقوی اور خوف اسی سے کیا جائے، رعیت اسی کی مطیع ہو اور فی الجملہ انسان اسکے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں، ظاہر بات ہیکہ یہ غرض پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ خالص الٰہی حکومت نہ ہو کسی دوسرے دین کے ساتھ یہ دین شرکت کہاں قبول کرسکتا ہے؟ اور کون سا دین ہے جو دوسرے دین کے ساتھ شرکت قبول کرتا ہو ہر دین کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہیکہ اقتدار خالصاً و مخلصاً میرا ہونا چاہئے۔ اور ہر دوسرا دین میرے مقابلے میں مغلوب ہوجانا چاہئے، ورنہ میری پیروی نہیں ہوسکتی، میں ہوں گا تو دین جمہوری نہ ہوگا، دین بادشاہی نہ ہوگا، دین اشتراکی نہ ہوگا، کوئی بھی دوسرا دین نہ ہوگا، اور اگر کوئی دوسرا دین ہوگا تو میں نہ ہوں گا اور اس صورت میں محض مجھے حق مان لینے کا کوئی نتیجہ نہیں، یہی بات ہے جس کو قرآن باربار دہراتا ہے مثلاً

(البینہ: ۵)

ترجمہ: یعنی "لوگوں کو اسکے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر کے اسی کی عبادت کریں"۔

(التوبہ: ۳۳)

ترجمہ: یعنی "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسکو پوری جنس دین پر غالب کردے خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو"۔

(الانفال: ۳۹)

ترجمہ: یعنی ''اوران سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا کا سارا اللہ کیلئے ہو جائے''۔

(یوسف: ۴۰)

ترجمہ: یعنی ''حکم اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں، اس کا فرمان ہیکہ خود اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''۔

(الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: یعنی ''تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے''۔

(النساء: ۶۴۔۶۰)

ترجمہ: یعنی ''تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس ہدایت پر جو تیری طرف اور تجھ سے پہلے کے نبیوں کی طرف اتاری گئی تھی اور پھر ارادہ یہ کرتے ہیں کہ فیصلے کیلئے اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔۔۔ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے تو بھیجا ہیکہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے''۔

اوپر میں عبادت اور دین اور شریعت کی جو تشریح کر چکا ہوں اسکے بعد آپکو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ ان آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اسلام میں جہاد کی اہمیت

اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہیکہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے، دوسرے تمام دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوسکتا کہ آپ بس اسکے حق ہونے کو مان لیں اور اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض رسمی پوجا پاٹ کرلیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر اس دین کی پیروی کر ہی نہیں سکتے۔ کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی ناممکن ہے، لہٰذا اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیں اور یا تو اسے قائم کرکے چھوڑ دیں یا اسی کوشش میں جان دے دیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپکے ایمان و اعتقاد کی صداقت پرکھی

جاسکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچا ہوگا تو آپکو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند تک نہ آسکے گی کجا کہ آپ اس کی خدمت کریں اور اس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھلا کر سوئیں۔ اس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ بھی آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گذرے گا اس طرح گذرے گا کہ بستر آپ کیلئے کانٹوں کا بستر ہوگا، کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا اور دین حق کو قائم کرنے کی کوشش کئے بغیر آپکو کسی کل چین نہ آسکے گا، لیکن اگر آپکو اللہ کے سواء کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں چین آتا ہو اور آپ اس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں خواہ آپ کتنی ہی دل لگا لگا کر نمازیں پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں، کتنی ہی قرآن وحدیث کی شرح فرمائیں اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں، یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں، رہے وہ منافقین جو دوسرے دین کی وفادارانہ خدمت کرتے ہوں یا کسی اور دین (مثلاً دین جمہور) کو لانے کیلئے جہاد کرتے ہوں تو ان کے متعلق میں کیا کہوں؟ موت کچھ دور نہیں ہے، وہ وقت جب آئے گا تو جو کچھ کمائی انہوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے خدا خود ہی ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپکو مسلمان سمجھتے ہیں تو سخت حماقت میں مبتلا ہیں، عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں خود آجاتا کہ ایک دین کو برحق بھی ماننا اور پھر اسکو قائم کرنے کی کوشش کرنا، بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں، آگ اور پانی جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً جمع نہیں ہو سکتا۔

قرآن اس سلسلہ میں جو کہتا ہے وہ سب تو اس خطبہ میں کہاں نقل کیا جاسکتا ہے، مگر صرف آیتیں آپکو سناتا ہوں:

(العنکبوت: ۳.۲)

ترجمہ: یعنی "کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہیکہ وہ محض یہ کہہ کر کہ "ہم ایمان لائے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے پہلے جس نے بھی ایمان کا دعوی کیا ہے اسکو ہم نے آزمایا ہے، پس ضرور ہیکہ اللہ دیکھے کہ ایمان کے دعوے میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں"۔

(العنکبوت: ۱۱.۱۰)

ترجمہ: یعنی "اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہیکہ ہم ایمان لائے اللہ پر مگر جب اللہ کے رستے میں وہ ستایا گیا تو انسانوں کی سزا سے ایسا ڈرا جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف سے فتح آجائے تو وہی آکر کہے گا کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے کیا اللہ جانتا نہیں ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے؟ مگر وہ ضرور دیکھ لے گا کہ مومن کون ہے اور منافق کون"۔

(آل عمران: ۱۷۹)

ترجمہ: یعنی ''اللہ تعالی کی حکمت کے خلاف ہیکہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں (کہ سچے اور جھوٹے مدعیان ایمان خلط ملط ہیں) وہ باز نہ رہے گا جب تک خبیث اور طیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کرے۔

(التوبہ: ۱۶)

ترجمہ: یعنی ''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہیکہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ تم میں سے کون ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور کون ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسرے سے اندرونی تعلق رکھا''۔

(المجادلہ: ۱۴، ۱۹، ۲۱)

ترجمہ: یعنی ''تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو ساتھ دیتے ہیں اس گروہ کا جس سے اللہ ناراض ہے؟ یہ لوگ نہ تمہارے ہی ہیں نہ انہی کے ہیں۔۔۔ یہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور خبردار ہو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی نامراد رہنے والے ہیں، یقیناً جو لوگ اللہ اور رسول کا مقابلہ کرتے ہیں (یعنی دین حق کے قیام کے خلاف کام کرتے ہیں) وہ شکست کھانے والوں میں ہونگے ، اللہ کا فیصلہ ہیکہ میں اور میرے رول غالب ہو کر رہیں گے، یقیناً اللہ طاقت ور اور زبردست ہے''۔

مومن صادق کی پہچان۔ جہاد

ان آیات سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ جب اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین زمین میں قائم ہو اور کوئی مسلمان اپنے آپکو اس حالت میں مبتلا پائے تو اسکے مومن صادق ہونے کی پہچان یہ ہیکہ وہ اس دین باطل کو مٹا کر اس کی جگہ دین حق قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں۔ اگر کرتا ہے اور کوشش میں اپنا پورا زور صرف کر دیتا ہے، اپنی جان لڑا دیتا ہے اور ہر طرح کے نقصانات انگیز کیے جاتا ہے تو وہ سچا مومن ہے خواہ اس کی یہ کوششیں کامیاب ہوں یا ناکام۔ لیکن اگر وہ دین باطل کے غلبے پر راضی ہے یا اسکو غالب رکھنے میں خود حصہ لے رہا ہے تو وہ اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

تبدیلی بغیر کش مکش کے ممکن نہیں

پھر ان آیات میں قرآن مجید نے ان لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دین حق کو قائم کرنے کی مشکلات عذر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہیکہ دین حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دین باطل قوت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی، طاقت بھی اسکے پاس ہوگی، رزق کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہوں گے اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہوگا، ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے دین کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج تو نہیں ہوسکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ میٹھے میٹھے قدم چل کر یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دین باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دین حق بھی قائم ہوجائے، تو یہ قطعاً محال ہے، یہ کام تو جب بھی ہوگا اسی طرح ہوگا کہ آپ ان تمام حقوق کو، ان تمام فائدوں کو اور ان تمام آسائشوں کو لات مارنے کیلئے تیار ہوجائیں جو دین باطل کے ماتحت آپکو حاصل ہوں اور جو نقصان بھی اس مجاہدے میں پہنچ سکتا ہے، اسکو ہمت کے ساتھ انگیز کریں، جن لوگوں میں یہ کھکھیڑ اٹھانے کی ہمت ہو جہاد فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں، رہے وہ لوگ جو دین حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ، تو ان کیلئے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں۔ ان کا کام تو یہی ہیکہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں۔ اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھانے والے آخر کار اپنی قربانیوں سے دین حق کو قائم کردیں تو وہ آکر کہیں انا کنا معکم یعنی ہم تو تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لاؤ اب ہمارا حصہ دو۔